فنِ حدیث میں

علماء بہار کی خدمات

برصغیر بالخصوص بہار میں علمِ حدیث کی تدریس، تحقیق، تالیف وترویج
اور ادارہ جاتی خدمات کے تناظر میں نامور محدثین کی علمی خدمات کا جامع وتشفی بخش جائزہ

بقلم:
مفتی شکیل منصور القاسمی
https//:muftishakeelqasmi.com/

ناشر:

مركز البحوث الاسلامية العالمي

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام على عبده و رسوله و خليله و صفوته من خلقه نبينا و إمامنا و سيدنا محمد بن عبد الله، و على آله و أصحابه و من سلك سبيله و اهتدى بهداه إلى يوم الدين. أما بعد:

برصغیر ہند میں علمِ حدیث کی تاریخی تشکیل اور کبار محدثین کی خدمات

علمِ حدیث اسلامی علوم کی روح اور شریعتِ محمدی ﷺ کی اساس ہے، اسی علم کے ذریعے سنتِ نبویہ محفوظ ہوئی، احکامِ شرعیہ کی توضیح وتشریح ممکن ہوئی اور امتِ مسلمہ کو فکری و عملی رہنمائی نصیب ہوئی۔

عرب فتوحات کا دور اشتغال بالحدیث کا دور تھا، فرمان رسول ﷺ کی آواز ہر سو جلوہ فگن تھی، مگر عجمی فاتحین نے جب برصغیر میں اپنا قدم جمایا تو انہوں نے اپنے ساتھ قرآن وسنت کے علاوہ فقہ، اصول فقہ فلسفہ، منطق، حکمت، شعر وشاعری جیسے عقلی علوم کا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اُس دور میں فقہ و اصول فقہ اور عقلی علوم کا دور دورہ نسبتًہ زیادہ ہوگیا تھا، اور حدیث شریف کی طرف توجہ بہت ہی کم ہوگئی تھی۔ صدیوں تک حدیث ایک زندہ مگر نسبتاً خاموش روایت کی صورت میں موجود تو رہی، علمی ہجرتوں، اسفار اور مختلف خطوں کے ساتھ قائم علمی روابط کے ذریعے یہاں بھی حدیث کا چراغ ؛ گوکہ اس کی روشنی مدھم ہی سہی ؛ پَر کسی نہ کسی درجے میں روشن رہا؛ لیکن عجمی فاتحین کے دور اقتدار میں علمِ حدیث اس قوت اور وسعت کے ساتھ یہاں رائج نہ ہوسکا جو عالمِ عرب میں پائی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے کئی صدیوں تک ہندوستان میں محدثین کی تعداد محدود رہی اور حدیث کا ذوق عام نہ بن سکا۔

نویں صدی ہجری کے بعد حدیثی بیداری

تاریخِ اسلام کا ایک مستقل قانون یہ ہے کہ جب کسی خطے میں دین کا توازن بگڑنے لگتا ہے، نصوص سے رشتہ کمزور ہونے لگتا ہے، اور دین رسوم یا فکری انحراف کا شکار ہونے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ وہاں ایسے رجال کار پیدا فرما دیتا ہے جو تجدید، احیاء اور توازن کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ بھی اسی قانونِ ربانی کی روشن مثال ہے۔

نویں صدی ہجری کے بعد اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں ایک ایسی علمی بیداری پیدا فرمائی جس نے علمِ حدیث کو نئی زندگی عطا کی، اس دور میں رجالِ حدیث کی ایک ایسی جماعت سامنے آئی جس نے حدیث کی روایت، جمع وترتیب اور اشاعت کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا، اور اس علم کو عملی طور پر زندہ کیا۔ اگرچہ علمِ حدیث کے ابتدائی مراکز حجاز، عراق اور شام رہے، تاہم تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ بعد کے ادوار میں اللہ تعالیٰ نے برصغیر ہند کو بھی اس علم کی ایک عظیم آماجگاہ بنا دیا، اور یہاں ایسے رجالِ حدیث پیدا فرمائے جنہوں نے روایت، درایت، شرح، جمع وترتیب اور تدریس، ہر میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

کبار محدثینِ ہند اور ان کا علمی کردار

برصغیر میں علمِ حدیث کی نشوونما کسی ایک فرد یا مختصر عہد کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ یہ مسلسل علمی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ مختلف ادوار میں پیدا ہونے والے ان کبار محدثین نے نہ صرف روایتِ حدیث کو محفوظ رکھا، بلکہ اس کی تفہیم، شرح، نقد، تحقیق اور تدریس کے میدانوں میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ انہی حضرات کی محنتوں سے برصغیر میں حدیث ایک مضبوط اور مستحکم علمی روایت کی صورت اختیار کرسکی۔ ان میں چند معمارانِ اول درج ذیل ہیں:

شیخ علی متقیؒ (متوفی 975ھ)

شیخ علی متقیؒ کا شمار برصغیر کے اولین عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔انہوں نے حدیث کے منتشر ذخیرے کو جمع کرنے، منظم ترتیب دینے اور امت کے لیے قابلِ استفادہ بنانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "کنز العمال" علمِ حدیث میں ایک عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آج بھی اہلِ علم کے لیے ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی سلسلے میں شیخ عبد الاوّل جونپوریؒ (متوفی 965ھ)، مؤلف فیض الباری شرح صحیح البخاری، شیخ عبد الوہاب برہانپوریؒ (متوفی 1001ھ)، اور ملک المحدثین شیخ محمد طاہر پٹنیؒ (متوفی 986ھ)، مؤلف مجمع البحار، تذکرۃ الموضوعات وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء سامنے آئے، جنہوں نے برصغیر میں حدیثی روایت کو علمی استحکام عطا کیا۔

ان کے بعد وہ دور آیا جس میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (متوفی 1052ھ) نے علمِ حدیث کو برصغیر میں ایک باقاعدہ، منظم اور مؤثر شکل دی۔ بجا طور پر انہیں "مجدّدِ علمِ حدیث فی الہند" کہا جاتا ہے۔انہوں نے حدیث کے درس، شرح اور تدریس کو مضبوط علمی بنیادوں پر قائم کیا۔

ان کی معروف تصنیف "لمعات التنقیح شرح المشکاۃ" نے حدیث کو خواص کے محدود حلقوں سے نکال کر عوام و خواص دونوں تک پہنچایا۔ ان کی مساعیِ جمیلہ سے دہلی علمِ حدیث کا ایک بڑا مرکز بنا اور ایک مضبوط حدیثی روایت کی بنیاد پڑی۔

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا کردار

لیکن اسی دوران ایک اور خطرہ بھی پنپ رہا تھا۔تصوف میں غلو، شریعت و طریقت کی جدائی، اور اکبری دور کے فکری فتنوں نے دین کے توازن کو شدید نقصان پہنچایا۔ یہاں شیخ احمد سرہندی مجددِ الفِ ثانیؒ کا کردار فیصلہ کن حیثیت اختیار کرتا ہے۔ اگرچہ وہ محدث جیسے اصطلاحی نام سے معروف نہیں، مگر ان کی پوری جدوجہد درحقیقت حدیث کی روح کے دفاع پر ہی مبنی تھی۔انہوں نے یہ حقیقت از سرِ نو واضح کی کہ سنتِ نبویہ ﷺ محض مستحب یا اخلاقی رہنمائی نہیں، بلکہ دین کی حاکم قوت ہے۔ان کی فکری اصلاح نے وہ زمین ہموار کی جس پر بعد میں حدیثی انقلاب کی فصل لہلہائی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حدیثی احیاء

یہ تمام علمی و فکری دھارے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ذات میں آ کر ایک ہمہ گیر نظام کی صورت اختیار کرتے ہیں۔شاہ ولی اللہؒ صاحب نے حدیث کو فقہ کے مقابل نہیں بلکہ فقہ کی بنیاد کے طور پر پیش کیا، اور نصوصِ شرعیہ کو مقاصدِ شریعت کے ساتھ جوڑ کر دین کی ایک متوازن تعبیر سامنے رکھی۔ حجۃ اللہ البالغہ جیسی تصنیف نے حدیث، عقل اور تاریخ کو ایک ہی فکری سانچے میں ڈھال دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کو صرف علمی حلقوں تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے امت کی اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔یہی مشن ان کے خانوادے نے آگے بڑھایا۔حضرت شاہ عبد العزیزؒ دہلوی نے درسِ حدیث کو عام کیا، حضرت شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمۂ قرآن کے ذریعے عوام کو براہِ راست نصوص سے جوڑ دیا۔اس طرح حدیث اب صرف مدرسے کا مضمون نہیں رہی بلکہ عوامی شعور کا حصہ بن گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی 1176ھ) اور ان کے فرزندان و تلامذہ کی انتھک کوششوں اور مجددانہ حدیثی کارناموں کے نتیجے میں علمِ حدیث کو برصغیر میں نئی آب و تاب حاصل ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ سے قبل یہاں چند منتخب کتابوں کو محور بنا کر حدیث کا فہم مکمل سمجھ لیا جاتا تھا، مگر شاہ صاحبؒ نے اس طرزِ فکر کو بدل دیا اور فہمِ حدیث میں نئی روح پھونک دی۔

وہ برصغیر میں ہی فہمِ حدیث میں پختگی حاصل کر چکے تھے، اس لیے حرمین شریفین میں ان کی توجہ روایت اور سند کی درستی پر مرکوز رہی۔ سرداً صحاحِ ستہ کا سماع کر کے انہوں نے نہ صرف اپنی ذات کے لیے بلکہ پورے ہندوستان کے اہلِ علم کے لیے عالمی سطح پر حدیث کی روایت کا دروازہ کھول دیا۔ ان کی بدولت ہندوستانی علماء کے اسنادی سلسلے مضبوط ہوئے اور اس خطے کو حدیث کی بین الاقوامی روایت سے جوڑنے کا ایک تاریخی فریضہ انجام پایا۔

ولی اللّٰہی فکر اور دار العلوم دیوبند

اسی ولی اللّٰہی فکر نے آگے چل کر دار العلوم دیوبند کی صورت میں ایک منظم تعلیمی قالب اختیار کیا۔ یہاں حدیث کی تدریس میں مقصدیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا گیا۔ جو امور مطالعہ، محنت اور شروح کے ذریعے حاصل ہو سکتے تھے، ان میں درس کے اوقات صرف کرنے کے بجائے طلبہ کو خود فکری جدوجہد پر آمادہ کیا گیا۔ جو چیز مطالعہ اور مزاولہ سے استاد کی تعلیم کے بغیر طلبہ کی گرفت میں آسکتی ہے، اب اسے زیرِ بحث لانا لاطائل کام ہے۔ اس طرزِ تعلیم کا فائدہ یہ ہوا کہ طلبہ میں تحقیقی ذوق بیدار رہا، ذہنی استقلال پیدا ہوا اور وہ علم کو محض سننے کے بجائے سمجھنے اور عملی زندگی میں برتنے کے قابل بنے۔

حدیثی مدارس، اسناد اور علمی تسلسل

ان اکابر کے بعد برصغیر میں حدیثی مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ دہلی، عظیم آباد، منیر، پھلواری شریف، دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ اور دیگر علمی مراکز میں درسِ حدیث کے حلقے قائم ہوئے۔ اسناد کا نظام مضبوط ہوا اور شاگردوں کی ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے اس علمی وراثت کو نسل در نسل منتقل کیا۔

اہلِ ہند نے علمِ حدیث میں صرف روایت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نقد، تحقیق، شرح اور تطبیق کے میدانوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ بدعات اور غیر مستند روایات سے اجتناب اور کتاب وسنت کو معیار بنانے کا مزاج اسی حدیثی بیداری کا ثمر تھا۔

اہلِ ہند کا علمِ حدیث میں امتیازی منہج

اہلِ ہند کا امتیاز یہ رہا کہ انہوں نے حدیث کو فقہ سے جدا نہیں کیا، بلکہ دونوں کو باہم مربوط رکھا۔ اسی توازن نے ان کے علمی کارناموں کو دوام بخشا اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ محفوظ رکھنے میں مدد دی۔

غرضیکہ برصغیر ہند میں علمِ حدیث کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اگرچہ اس خطے میں حدیث کا آغاز نسبتاً سست رہا، مگر اللہ تعالیٰ نے بعد کے ادوار میں اسے علمِ حدیث کا ایک عظیم مرکز بنا دیا۔

شیخ علی متقیؒ، شیخ محمد طاہر پٹنیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کے فرزندان وتلامذہ اور دیگر اکابر کی جلیل القدر خدمات نے اس علم کو یہاں نئی زندگی عطا کی اور امت کو ایسا علمی سرمایہ بخشا جو آج بھی زندہ ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علماء ہند کی حدیثی خدمات علاقائی نہیں، بلکہ عالمی اسلامی ورثے کا ایک روشن اور مستقل حصہ ہیں۔

سرزمینِ بہار اور روایتِ حدیث کی تابندہ تاریخ

صوبہ بہار، وہ سرزمینِ دانش وعرفان، زمانہ قدیم سے ہی علم وفضیلت کی گہما گہمی کا مرکز رہی ہے، یہاں کی فضاؤں میں علم وحکمت کے

جھرنے ہمیشہ بہتے رہے، اور خصوصاً علمِ حدیث کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں اس کا مقام بہت بلند و بے مثال رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے مشہور بزرگ، حضرت شیخ عبدالعزیز شکربار کے دادا، جو ملتان کے علمی دریا سے بہار کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر حضرت شیخ بدھ حقانی کے فیضِ سرشار سے مالا مال ہوئے اور علم و عرفان کے خزانے سے بھرپور مستفید ہوئے (مآثر الکرام، صفحہ ۱۹۰)۔

مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے اتالیق میں مولانا محی الدین، جنہیں ملا موہن بہار کے نام سے جانا جاتا ہے، بہار کے زرخیز علمی میدان کا فخر تھے۔ اسی طرح قاضی محب اللہ بہاری نے داراشکوہ کو علم و حکمت سے مستفیض کیا، اور شہنشاہ عالم کے دیگر اساتذہ میں مولانا امان اللہ، ملا ضیاء الدین اور ملا سراج الدین کے نام شامل ہیں، جو اپنے وقت کے نہایت معتبر اور فاضل علماء میں شمار ہوتے تھے۔

بہار میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی۔ عظیم آباد (پٹنہ) اور قصبہ منیر نہ صرف روحانیت کے مراکز تھے؛ بلکہ علم حدیث کی روشنی بھی یہاں بے مثال تھی۔ بہار کے دیگر علاقوں جیسے نیمی، خضر چک (بیگوسرائے)، مونگیر، صادق پور، بھاگلپور، پھلواری شریف، دربھنگہ، گیا، گیلان، استھانواں، دیسنہ اور صادق پور وغیرہ نے بھی علم حدیث کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ انہی مراکز سے مختلف ادوار میں بے شمار عظیم محدثین نے جنم لیا اور افق عالم پر علم حدیث کے جھنڈے بلند کیے۔

پھلواری شریف نے خاص طور پر علم حدیث کی اشاعت میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ یہ سرزمین نہ صرف عظیم ہستیوں کی مسکن رہی؛ بلکہ علم و عمل کے ایسے ستون پیدا کیے جنہوں نے ہر دور میں علم و فضیلت کا پرچم بلند رکھا۔ یہاں کے مشہور عالم، سید منہاج الدین راستی (متوفی ۱۳۸۵)، خلیفہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحی منیری تھے، اور ان کی اولاد اٹھارویں صدی کے آخر تک مسند قضاء پر متمکن رہی۔

اس کے بعد بھی یہاں کے علماء و محدثین نے علم حدیث کے چراغ کو روشن رکھا۔ مخدوم بدرالدین بدر عالم (متوفی ۱۶۰۳)، مخدوم شمس الدین جنید ثانی، شاہ امان اللہ، شاہ برہان الدین اور محدث عصر، خواجہ عماد الدین قلندر رحمہم اللہ، نے علم حدیث کے گیسو سنوارتے ہوئے اسے ہر زمانے میں زندہ رکھا۔ خواجہ عماد الدین قلندر نے یہ علم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے، شیخ الاسلام محمد سے حاصل کیا، اور پھر شیخ سید یسین گجراتی جیسے عظیم محدث کے سلسلہ حدیث یہاں پہنچے۔ مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری (متوفی ۱۷۷۷) اور خانقاہ مجیبیہ کے بے شمار علماء و فضلاء نے بھی علم حدیث کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

یوں بہار کی سرزمین نہ صرف خاموش علمی جد و جہد کا مرکز رہی بلکہ علم حدیث کے فروغ و ترویج کا روشن مینار بھی ثابت ہوئی۔ یہاں ہر دور میں علم و فضل کے علمبرداروں نے اپنی علمی روشنی سے افق معرفت و حکمت کو منور کیا، اور علم حدیث کے چراغ کو کبھی بجھنے نہ دیا۔ بہار کی یہ سرزمین آج بھی علم و ادب، فضیلت و حکمت اور روحانی شعاعوں کی علامت کے طور پر زندہ و تابندہ ہے۔

بہار میں خدمتِ حدیث کی متنوع جہات

بہار میں علمِ حدیث کی روایت، ترویج و اشاعت کے اعتبار سے نہ سطحی رہی، نہ محدود اور منقطع، بلکہ یہ اساتذہ و طلبہ پر مشتمل ایک جامع، ہمہ گیر، مربوط اور مسلسل علمی تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ یہاں حدیثِ نبوی ﷺ کی خدمت صرف فردی کاوشوں تک محدود نہ تھی، بلکہ تدریس، تصنیف و تالیف، اجتماعی نظم، ادارہ جاتی استحکام اور دینی قیادت کے منظم ذرائع کے ذریعے آگے بڑھی، بہار کے علماء و محدثین نے اس علمِ مقدس کی خدمت مختلف جہات سے انجام دی، جن میں درج ذیل پہلو خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہیں:

اوّل: تدریسِ حدیث

بہار کی مساجد، مدارس اور خانقاہیں صدیوں تک درسِ حدیث کے مراکز رہیں۔ یہاں کتبِ صحاح، سنن اور مسانید کا باقاعدہ اور منہجِ تحقیق کے مطابق درس دیا جاتا تھا، اور اساتذۂ حدیث اپنے تلامذہ کو روایت تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ درایت، فہمِ حدیث اور اصولِ استنباط کی باریکیوں سے بھی روشناس کراتے تھے۔ اس تدریسی روایت کی بنیاد اخلاص، تسلسلِ سند اور علمی ضبط پر قائم تھی، جس نے بہار کو ایک مستحکم حدیثی مرکز کی حیثیت عطا کی۔

دوم: شرح وتصنیف

بہار کے محدثین نے حدیثِ نبوی ﷺ کی شرح وتوضیح اور تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہاں ایسی شروح، حواشی اور مستقل تصانیف وجود میں آئیں جن میں احادیث کے الفاظ، معانی، فقہی نکات اور اختلافی مسائل پر گہری بصیرت کے ساتھ گفتگو کی گئی۔ یہ علمی سرمایہ مقامی حلقوں تک محدود نہ رہا بلکہ برصغیر کے دیگر علمی مراکز تک بھی پہنچا اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

سوم: ترجمہ وتوضیح

علمِ حدیث کو عام فہم بنانے کے لیے بہار کے علماء نے ترجمہ وتوضیح پر خصوصی توجہ دی۔ عربی متونِ حدیث کے ساتھ بلیغ اور رواں اردو وفارسی توضیحات نے حدیثِ نبوی ﷺ کو عوام اور خواص دونوں کے لیے قابلِ استفادہ بنایا، تاکہ حدیث کا پیغام عملی زندگی میں رہنمائی کا ذریعہ بن سکے۔

چہارم: دینی ادارہ سازی

بہار میں علمِ حدیث کی خدمت کا ایک اہم اور دیرپا پہلو دینی ادارہ سازی رہا۔ محدثین نے نہ صرف مسندِ تدریس سنبھالی بلکہ مدارس، خانقاہوں اور دینی مراکز کی بنیاد رکھ کر حدیثی روایت کو منظم اور محفوظ انداز میں آئندہ نسلوں تک منتقل کیا۔ ان اداروں کے ذریعے حدیث کا نور معاشرتی اصلاح، اخلاقی تربیت اور اجتماعی رہنمائی کی صورت میں ظاہر ہوا، اور یوں علمِ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں سے مربوط ہو گیا۔

یوں بہار میں علمِ حدیث کی روایت ایک ہمہ جہت علمی تحریک کی صورت میں سامنے آتی ہے، جس میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ترجمہ وتوضیح اور دینی قیادت وادارہ سازی ایک دوسرے سے گہرے طور پر مربوط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہار کی سرزمین تاریخِ حدیث میں ایک مستحکم، معتبر اور تابندہ مقام رکھتی ہے، اور یہ روایت آج بھی اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ بنی ہوئی ہے۔

بہار میں خدمت واشاعتِ حدیث کا مرکزی نقشہ

بہار کے ممتاز، قدیم اور اکابر محدثین میں مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی (متوفی 1234ھ)، مولانا کمال علی پوری، مولانا محمد سعید حسرت (م 1304ھ)، مولانا ولایت علی ہاشمی صادق پوری (صاحب العمل بالحدیث)، مولانا نیاز علی جعفری صادق پوری (صاحب فیض الفیوض)، مولانا سید نذیر حسین مونگیری ثم دہلوی (صاحب معیار الحق)، مولانا شمس الحق عظیم آبادی (صاحب غایۃ المقصود اور عون المعبود)، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا فضل حسین مہدانوی مظفرپوری (مصنف الحیاۃ بعد الممات)، مولانا ابو محمد ابراہیم آروی

(صاحب سیرۃ احمد بن حنبل)، مولوی حکیم ضمیر الدین آروی، مولوی محمد قاسم آروی (استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ)، مولوی ابو الحسنات عبد الغفور دانا پوری اور مولوی تلطف حسین عظیم آبادی کے نام نمایاں ہیں۔

بہار کے چند ممتاز و قدیم و اکابر محدثین

اسی طرح مترجمین، محققین اور شارحینِ حدیث میں مولانا عبد الغفار مہدانوی (مترجم الأدب المفرد للبخاری)، شیخ محمد محسن ترہتی (صاحب الیانع الجنی) مولانا شہود الحق عظیم آبادی (صاحب البحر الذخار)، مولانا ظہیر احسن شوق نیموی (صاحب آثار السنن)، مولانا ظفر الدین بہاری (صاحب جامع الرضوی)، مولانا اصغر حسین، مولانا ابراہیم نگرنہسوی (متوفی 1283ھ)، مولانا لطف علی راجگیری (م 1296ھ)، مولانا محب اللہ بہاری (صاحب مسلم الثبوت)، مولانا ولایت حسین گیاوی، مولانا محمد عثمان غنی قاسمی بیگوسرائیوی (صاحب نصر الباری)، مولانا سید عبد الاحد قاسمی بیگوسرائیوی (صاحب العلالۃ الناجعہ) اور مولانا اکرام علی بھاگپوری (شارح صحیح مسلم: نفع المسلم) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بہار کی علمی قیادت و نسبتِ دینی

ابو المحاسن مولانا محمد سجاد بہاری (بانی امارت شرعیہ)، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا مسعود احمد ندوی وغیرہم جیسی شخصیات نے تدریس، تصنیف اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ مضبوط دینی ڈھانچے کی تشکیل کے ذریعے بہار میں حدیث کے علمی ماحول کو استحکام بخشا اور اسے آگے منتقل کیا۔

ان فہرستوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بہار میں خدمتِ حدیث تدریس یا تصنیف تک محدود نہ رہی، بلکہ علمی قیادت اور ادارہ سازی کے ذریعے بھی ایک ایسا مستحکم نظام وجود میں آیا جس نے حدیثِ نبوی ﷺ کے فروغ اور تسلسل کو نسل در نسل محفوظ رکھا۔

بہار میں روایتِ حدیث کا ایک متروک مگر بنیادی ماخذ "الیانع الجنی" اور اس کے حدیثی و سندی نقوش

کتاب "الیانع الجنی فی اسانید الشاہ عبد الغنی" علمِ حدیث کے اس نہایت دقیق اور فنی حصے سے تعلق رکھتی ہے جسے اہلِ فن نے علمُ الأسانید اور فنِّ اثبات و فہارس کے نام سے موسوم کیا ہے، اور جس کی غایت اکابرِ محدثین کی علمی نسبت، اتصالِ روایت اور سندی تسلسل کو محفوظ رکھنا ہے، اس کتاب میں حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کی حدیثی، فقہی اور دیگر علوم کی اسانید کو نہایت اہتمام، ترتیب اور احتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، جس سے ان کے مشایخ، طرقِ روایت اور علمی روابط کی ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ کتابِ ہذا سوانحی تذکرہ یا اجمالی فہرست تک محدود نہیں، یہ ایک باقاعدہ فنی ثبت ہے، جو روایت و اجازت کے اس مضبوط نظام کی نمائندگی کرتی ہے جس پر علمِ حدیث کی صحت اور اعتماد قائم ہے۔

خصوصاً بہار کے تناظر میں اس کتاب کی اہمیت اس لیے اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کے حدیثی فیوض بہار کے علمی حلقوں میں تدریس، سماع اور اجازت کے ذریعے گہرے اثرات چھوڑ چکے تھے، اور بہار کے متعدد اہلِ علم اسی سندی سلسلے سے وابستہ رہے۔

اس کے باوجود یہ امر نہایت باعثِ افسوس ہے کہ بہار میں ترویجِ حدیث کے باب میں گفتگو کرتے وقت اس کتاب کو بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ تصنیف بہار کی حدیثی روایت کے سندی پس منظر کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور دہلی و بہار کے علمی روابط کو مستند شکل میں واضح کرتی ہے۔ اس کتاب کے بغیر بہار میں حدیث کے تسلسل، اسناد کے اتصال اور نظامِ اجازت کی

صحیح تصویر مکمل نہیں ہوتی۔

اس اہم اور وقیع تصنیف کے مؤلف شیخ محمد محسن بیگوسرائیویؒ ان جلیل القدر محدثین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے علمِ حدیث میں بالخصوص فنِّ اسانید کو اپنی علمی کاوشوں کا محور بنایا۔ شیخ مراتبِ اسناد، طبقاتِ مشایخ اور اختلافِ طرق کے دقیق پہلوؤں سے کامل واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ کی حدیثی نسبت کو ایک مستقل، معتبر اور قابلِ اعتماد دستاویز کی صورت میں محفوظ کیا، اور یوں دہلی ہی نہیں بلکہ بہار جیسے علمی مراکز میں بھی روایتِ حدیث کے تسلسل کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ یہ کتاب اور اس کے مؤلف دونوں برصغیر میں علمِ حدیث، خصوصاً فنِّ اسانید، کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ بہار میں حدیثی خدمات کے تحقیقی مطالعے میں الیانع الجنی کو متروک کرنا دراصل اس خطے کی علمی روایت کے ایک اہم سندی ستون سے صرفِ نظر کے مترادف ہے۔ اسی لیے ناچیز کتاب اور صاحبِ کتاب کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کر رہا ہے۔

شیخ محمد محسن بن غلام یحییٰ الترہتیؒ برصغیر کے ممتاز محدث، عالمِ دین اور محقق تھے، جنہوں نے اپنی علمی خدمات اور فصیح عربی اسلوب کی بنا پر روایتِ حدیث میں مستقل مقام حاصل کیا۔ ان کا تعلق صوبہ بہار کے ترہت راج کے ماتحت "خضر چک" سے تھا، جو بعد میں مونگیر اور اب ضلع بیگوسرائے کے ماتحت ہے۔ آپ کا تعلق صدیقی خاندان سے تھا، اسی لیے بکری لکھتے تھے، اور چونکہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا تعلق بنو تیم سے تھا، اس نسبت سے تیمی بھی لکھتے ہیں۔ ان کا خانوادہ مظفرہ (بیگوسرائے) کا اصل ساکن تھا۔

ان کے والد پورنیہ (سابق بنگال، حالیہ بہار) میں ایک اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز تھے، جو پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے باعث وہیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم رہے۔ غالب امکان ہے کہ شیخ محسنؒ کی ولادت بھی وہیں ہوئی ہو، اسی بنا پر ان کے ساتھ الفرینی (پورنیہ سے منسوب) اور الترہتی (ترہت سے منسوب) دونوں نسبتیں ملتی ہیں۔ سنِ ولادت باقاعدہ طور پر منضبط نہیں، تاہم قیاس یہ ہے کہ 1250ھ کے آس پاس (1837ء) ولادت ہوئی۔

والد کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کے سبب شیخ محسنؒ کی تعلیم وتربیت کا نہایت اچھا نظم کیا گیا۔ انہوں نے تحصیلِ علم کا آغاز کلکتہ سے کیا، جہاں علوم دینیہ وعربیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ بعد ازاں انہیں برصغیر کے متعدد جلیل القدر اہلِ علم سے استفادے کا موقع ملا۔ ان کے اساتذہ میں شیخ محدث سعید عظیم آبادی (عظیم آباد، پٹنہ)، شیخ سلامۃ اللہ بدایونی (کانپور)، شیخ محمد وجیہ کلکتوی (رئیس الاساتذہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ) اور شیخ واجد علی عمری بنارسی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ صدر رکن الدین قرشی ترہتی، شریف عبدالغنی سارنی، علی جواد سلھٹی بنگالی، ابو الفضل محمد بوجیہ الدین بکری ترہتی کلکتوی، سعید بن واعظ علی بکری عظیم آبادی، ابو العلاء فضل بن فضل عمری اور واجد علی بن ابراہیم بن عمر بنارسی عمری جیسے اہلِ علم بھی ان کے اساتذہ میں شامل تھے۔

سفرِ حج کے دوران انہیں حجازِ مقدس کے اکابر علماء کی مجالسِ علم میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، جہاں سید محمد بن علی الحسینی السنوسی الخطابی، شیخ عبدالغنی الدمیاطی، شیخ سید محمد العطوشی اور شیخ یعقوب بن محمد فضل عمری دہلوی سے حدیث ودیگر علومِ دینیہ پڑھے۔ یوں ان کی علمی تشکیل برصغیر اور حجاز کے معتبر علمی مراکز کی جامع نمائندگی بن گئی۔

بالخصوص حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ سے انہیں سب سے زیادہ حدیثی فیض نصیب ہوا۔ ان سے صحاحِ ستہ اور مسلسلاتِ حدیث مکمل طور پر پڑھیں، اجازتِ روایت حاصل کی اور انہی اسناد کو اپنی تصنیف الیانع الجنی میں محفوظ کیا۔ بعض مصادر کے مطابق وہ قریب سات برس حجاز میں مقیم رہے۔ اسی دوران انہوں نے مدینہ منورہ اور دیگر مقامات سے نادر کتب جمع کر کے ایک قیمتی ذاتی کتب خانہ مرتب کیا، جس کی ندرت وعظمت کی معاصر اہلِ علم نے صراحت کے ساتھ تحسین کی۔ بعد ازاں دوسرے سفرِ حجاز کے دوران مدینہ منورہ ہی میں

مختصر عمر میں وفات پائی۔

بہار میں علمِ حدیث کی نشر و اشاعت میں شیخ محسنؒ کا مقام نہایت بلند ہے۔ ان کی شاہکار تصنیف "الیانع الجنی فی أسانید الشیخ عبدالغنی" علمِ اسناد و روایت میں ایک بنیادی اور نہایت معتبر ماخذ ہے، بالخصوص ہندوستان کے محدثین اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے حدیثی کارناموں کے باب میں اس کی اہمیت بے مثال ہے۔ یہ کتاب عربی اسلوبِ نگارش کا بھی شاہکار رہے، اس کی فصاحت، بلاغت، حسنِ ترتیب اور قدرتِ استرسال نے عربی کے بڑے علماء کو حیران و محظوظ کیا۔ حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ نے فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے شیخ محسنؒ کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد سب سے بلیغ عربی مصنفین میں شمار کیا ہے۔

اپنے ظہور کے اولین دن سے آج تک اہلِ علم اس کتاب سے فیض یاب ہوتے آ رہے ہیں، اور آج بھی اسے ایک مستند علمی مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ خانوادۂ ولی اللّٰہی کی اسنادِ حدیث پر مشتمل اس قدر جامع کوئی دوسری کتاب موجود نہیں۔ الحمدللہ، علمِ حدیث کا یہ لازوال کارنامہ بھی بہار اور بیگوسرائے کے ایک سپوت کے حصے میں آیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکاتیب گیلانی، امیرِ شریعت حضرت مولانا سید منۃ اللہ رحمانی، طبع مونگیر 1972ء، ص 374؛ فہرس الفہارس، شیخ کتانی 2/1166؛ نزہۃ الخواطر 7/561، طبع حیدرآباد)

ان عظیم حدیثی خدمات کی بنا پر شیخ محسن بن یحییٰ ترہتیؒ کو نہ صرف برصغیر کے علماء میں مقامِ فخر حاصل ہے، بلکہ عرب و غیر عرب علمی حلقوں نے بھی انہیں علمی و تحقیقی دنیا میں ایک ممتاز حیثیت عطا کی ہے، جس کے اثرات آج تک قائم و جاری ہیں۔

ادارہ جاتی خدمتِ حدیث میں بہار کا کردار

علمِ حدیث کی ترویج و اشاعت میں "ادارہ جاتی خدمات" کو ہمیشہ بنیادی اور فیصلہ کن حیثیت حاصل رہی ہے، برصغیر میں مدارسِ اسلامیہ صدیوں سے حدیثِ نبوی ﷺ کی تعلیم، روایت اور فہم کے منظم مراکز رہے ہیں، جہاں باقاعدہ نصاب، تسلسلِ سند اور مضبوط تدریسی نظم کے ذریعے اس علمِ مقدس کو نسل در نسل منتقل کیا جاتا رہا ہے، بہار میں بھی علمِ حدیث کی خدمت کا یہ ادارہ جاتی پہلو نہایت مستحکم، مؤثر اور ہمہ گیر رہا ہے۔

مدارسِ اسلامیہ وہ علمی مراکز ہیں جہاں ہزاروں طلبہ کتبِ حدیث، بالخصوص صحاحِ ستہ، کا باقاعدہ درس حاصل کر کے سندِ حدیث سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان اداروں نے صرف تدریسِ حدیث تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ علمی ذوق کی آبیاری، فکری پختگی اور دینی قیادت کی تیاری میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ بہار میں دینی مدارس کے ذریعے انجام پانے والی یہ حدیثی خدمات اپنی وسعت اور اثر کے اعتبار سے ناقابلِ فراموش ہیں۔

بہار کا سب سے نمایاں اور مرکزی دینی ادارہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر ہے، جسے 1927ء میں ریاستِ بہار کے ضلع مونگیر میں قطبِ عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر مدرسے کی صورت میں قائم فرمایا تھا، بعد ازاں آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی قدس سرہ نے اس کو سنبھالا اور اپنی غیر معمولی بصیرت، محنت، جانفشانی اور جد و جہد کے ذریعے اسے ایک منظم، وسیع اور باقاعدہ جامعہ کی شکل دی۔ یہاں باضابطہ تعلیمی درجات قائم ہوئے اور دنیا کی بڑی اسلامی جامعات سے اس کا ربط و الحاق عمل میں آیا۔

جامعہ رحمانی آغاز ہی سے علم، عمل، دفاعِ دین اور تزکیہ کا جامع مرکز رہا ہے، اور حدیثِ نبوی ﷺ کی تدریس اس کے تعلیمی نظام کا ایک مضبوط ستون رہی ہے۔ یہاں سے اب تک کم و بیش تین ہزار طلبہ فراغتِ حدیث حاصل کر چکے ہیں، جو ملک کے مختلف حصوں میں

تدریسِ حدیث، امامت، افتاء اور دیگر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جامعہ رحمانی نے ہمہ جہت صلاحیتوں کے حامل علماء کی ایک مضبوط جماعت تیار کی ہے، جن میں سے متعدد حضرات آج ملک کے اہم دینی و تعلیمی اداروں میں ذمہ دار مناصب پر فائز ہیں۔ یہ علماء کہیں درسِ حدیث میں مصروف ہیں، کہیں افتاء و قضاء کی خدمات انجام دے رہے ہیں، کہیں دینی و ملی اداروں کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں، اور کہیں دعوت، اصلاحِ معاشرہ اور علمی تصنیف و تحقیق میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اس طرح جامعہ رحمانی کی حدیثی خدمات اس کے احاطے تک محدود نہیں رہیں بلکہ اس کے فارغین کے ذریعے پورے ملک میں علمی و عملی اثرات کی صورت میں پھیلتی چلی گئی ہیں، جو اس ادارے کی مضبوط علمی تشکیل اور متوازن تربیتی نظام کا واضح ثبوت ہے۔

اسی طرح امارتِ شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ کے زیرِ انتظام دارالعلوم الاسلامیہ بھی بہار میں علمِ حدیث کی اشاعت کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں سے سینکڑوں طلبہ سندِ فضیلت حاصل کر کے دینی و علمی میدان میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس ادارے میں تدریسِ حدیث کے ساتھ ساتھ تربیت افتاء و قضاء کے لیے ایک منظم اور مؤثر معہد بھی قائم ہے، جہاں بڑی تعداد میں مفتیانِ کرام اور قضاۃ تیار ہو کر معاشرتی و اجتماعی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ یوں یہ ادارہ دینی تعلیم کے ساتھ اجتماعی دینی قیادت کی تیاری میں بھی نمایاں کردار ادا کرتا رہا ہے۔

ان کے علاوہ بہار کے دیگر بیشمار معروف علمی مراکز میں مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، جامعہ امدادیہ، احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، خانقاہ مجیبیہ اور اس سے وابستہ تعلیمی ادارے، نیز دربھنگہ، گیا، ویشالی، آرہ، سیتامڑھی، سیوان، بھاگلپور، منورواسمستی پور، بیگوسرائے اور مونگیر کے متعدد قدیم و جدید مدارس شامل ہیں، جہاں مسلسل طور پر کتبِ حدیث کی تدریس جاری ہے۔ اگرچہ ان تمام اداروں کی تفصیلی فہرست یہاں پیش کرنا ممکن نہیں، تاہم یہ حقیقت مسلم ہے کہ ان مدارس نے مجموعی طور پر بہار میں حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

دوسرے صوبوں میں بہار کے مدرسین کے ذریعے خدمتِ حدیث

ادارہ جاتی خدمتِ حدیث کا ایک اہم پہلو وہ علمی اثرات ہیں جو بہار کے علماء و مدرسین کے ذریعے صوبے کی جغرافیائی حدود سے باہر ظاہر ہوئے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ملک کے مختلف صوبوں میں قائم عربی مدارس میں تدریسِ حدیث کے اعلیٰ درجے کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد بہار سے تعلق رکھتی ہے۔ ان جید علماء و مدرسین نے اپنی علمی پختگی، تدریسی مہارت اور مضبوط سندی روایت کے ذریعے ملک کے مختلف علاقوں میں حدیث کی تعلیم کو استحکام بخشا ہے۔

اسی طرح ملک کے مرکزی اور ممتاز دینی اداروں میں اعلیٰ درجات میں امتیازی کامیابیاں حاصل کرنے والے طلبہ میں بھی بہار کا حصہ ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ اگرچہ یہاں ناموں کی تفصیل پیش نہیں کی جا رہی، تاہم یہ ایک مسلم علمی حقیقت ہے کہ "تدریسی قیادت اور علمی امتیاز"، دونوں سطحوں پر بہار نے علمِ حدیث کی خدمت میں گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے ہیں۔

ان ادارہ جاتی خدمات کے مجموعی مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بہار میں علمِ حدیث کی روایت افراد تک محدود نہیں رہی، بلکہ مضبوط اور مستحکم اداروں کے ذریعے یہ خدمات منظم، مستقل اور مؤثر صورت میں انجام پاتی رہیں۔ یہی ادارہ جاتی استحکام بہار کو برصغیر کی حدیثی تاریخ میں ایک نمایاں اور معتبر مقام عطا کرتا ہے، اور یہی اس خطے کی علمی روایت کی اصل قوت اور امتیاز ہے۔

صوبہ بہار کے نامور محدثین کی علمی وحدیثی خدمات

ہندوستان کی زمین، خاص طور پر ریاست بہار، علم وفضل کا وہ نورانی آنگن رہی ہے جس نے ہر دور میں اہلِ علم وتحقیق کو پروان چڑھایا۔ یہ وہی سرزمین ہے جس کی مٹی میں غور وفکر، تدبر اور تحقیق کے بیج اس قدر بارآور ہوئے کہ یہاں کے مردِ علم وفضیلت نے عرب کے معتبر علماء کو بھی اپنے کمالات و دانائی پر معترف کر دیا۔ نہ صرف یہی، بلکہ یہاں ایسے نابغہ روزگار ہستیاں بھی جنم لیتی رہیں، جن کی ذہانت و فکر کی وسعت اور علمی اختراع کی وسعت نادر مثالوں میں شمار ہوتی ہے۔

یہ ہستیاں اپنی ہر سانس، ہر لمحہ، علم و دین کی خدمت میں وقف کر دیتیں۔ کچھ نے شریعت کے علوم، حدیث، فقہ وتفسیر کی گہرائیوں میں غوطہ لگایا، کچھ نے ادب و زبان وشعر کی بزم کو سنوارا، اور بعض نے تاریخ، فلسفہ اور طب کی نایاب کتب کی تحقیق وتصحیح کے ذریعے علمی خزانے میں بے پناہ اضافہ کیا۔ ان کی خدمات کو شمار میں لانا تقریباً ناممکن ہے، مگر چند ایسے عظیم محققین کے نام جن کی شہرت آج بھی دنیا کے گوشوں میں بلند و بالا ہے، خاص طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں جب علمی بیداری کی ایک نئی لہر اٹھی اور مدارس و مکاتب کا جال پھیلا، تو مختلف ریاستوں کے ساتھ ساتھ ریاستِ بہار بھی حدیثی علوم کا ایک اہم مرکز بن کر ابھری۔ ذیل میں تیرہویں صدی ہجری سے پہلے اور مابعد کے چند نامور محدثین کی علمی وتحقیقی خدمات کا سرسری جائزہ پیش ہے، جو انہوں نے تدریس، تصنیف اور دفاعِ حدیث کے میدان میں انجام دیں۔

شیخ محب اللہ بہاری

موضع کرہ، نالندہ بہار کے اس محقق ومتکلم اسلام نے حدیث، فقہ ومنطق کے بیکراں سمندر میں اپنی تحقیق کی لازوال روشنی پھیلائی، ان کی تصنیف "مسلم الثبوت" اصول فقہ کی دنیا میں ایک معتبر ستون ہے، اور "سلم العلوم" منطق میں نادر و بے مثل تصنیف ہے، دیگر آثار میں "الجوہر الفرد" شامل ہیں۔ قاضی، اصولی، محدث، فقیہ، حاویِ اصول وفروع تھے، سلطانِ اورنگزیب عالمگیرؒ نے آپ کو اپنے پوتے، شہزادہ رفیعُ القدر بن محمد معظم شاہ عالم بن اورنگزیب کا استاد مقرر فرمایا تھا، مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ کے عہدِ حکومت میں لکھنؤ اور حیدرآباد دکن کے قاضیِ شرع مقرر ہوئے۔ اسی طرح مغل شہنشاہ عالم بہادر شاہ اوّل کے زمانے میں قاضیُ القضاۃ کے منصبِ جلیلہ پر بھی فائز رہے، 1119ھ میں بعمر 44 سال وصال فرمایا، محلہ چاند پورہ، بہار شریف، ضلع نالندہ بہار میں آسودہ خواب ہیں، مگر آپ کے چراغ علم وفن کی روشنی آج بھی محققین وطلبہ کے لیے مشعل راہ ہے۔

مولانا سید نذیر حسین مونگیری ثم دہلوی (1805-1902م)

شمسُ العلما، استاذُ الاساتذہ حضرت مولانا سید میاں محمد نذیر حسین مونگیری محدث دہلویؒ برصغیر پاک و ہند کی جلیل القدر علمی و دینی شخصیت تھے۔

آپ ۱۸۰۵ء میں صوبۂ بہار کے ضلع مونگیر، سورج گڑھا کے موضع بلتھوا میں ایک معزز سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم قرآنِ مجید اور علومِ حدیث کی پٹنہ (عظیم آباد) میں تکمیل کی۔

وہیں امام المجاہدین سید شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے واعظ سے گہرا اثر قبول کیا۔ سولہ برس کی عمر میں تحصیلِ علم کے شوق میں مختلف مقامات کا سفر کیا، الہ آباد میں مروجہ علوم عربیہ ونحو کی متعدد کتب جلیلہ پڑھیں۔

۱۲۴۲ھ میں دہلی پہنچے اور مسجد اورنگ آبادی، پنجابی کٹرہ میں قیام فرمایا۔

یہاں شہرِ دہلی کے نامور علما سے کسبِ فیض کیا، حضرت مولانا شاہ عبدالخالق دہلویؒ سے خصوصی تعلق رہا اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے علومِ حدیث کی تکمیل کی۔

۱۲۵۸ھ میں اپنے استاد کے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے پر مسندِ حدیث پر فائز ہوئے، ہندستان میں تعلیمِ حدیث وسنت کے خلیفہ مقرر کیے گئے۔

ساٹھ برس تک دہلی میں حدیثِ نبویؐ کی تدریس فرمائی۔

اسی طویل و بے مثال خدمت کے باعث آپ کو تلامذہ "شیخُ الکل فی الکل" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

برصغیر ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے دور دراز علاقوں سے طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتے تھے۔

مکتب اہلِ حدیث کے ہزاروں علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

آپ تحریکِ اہلِ حدیث کے بانی اور اس کے مؤثر قائدین میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں آپ کا وصال ہوا۔

ان کے مشہور علمی آثار میں: "معيار الحق"، "تقوية الإيمان" "حيث شرط أبي داود" "الإيمان يزيد وينقص"، "تقوية الإيمان"، "ثبوت الحق الحقيق" آج بھی محققین کے لیے مشعل راہ ہیں۔

شیخ محمد محسن بن غلام یحییٰ ترہتی بیگوسرائیوی

ولادت: 1250۔51ھ۔۔۔1837۔38ء

(آپ کا تذکرہ پہلے مستقل گزر چکا)

علامہ ظہیر احسن شوق نیموی (1278۔1322ھ/ 1862۔1904م)

علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ برصغیر کے ان جلیل القدر علما میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے علمِ حدیث کو تحقیق، فقاہت اور اعتدال کے حسین امتزاج کے ساتھ پیش کیا، آپ کا تعلق صوبۂ بہار کے علمی و دینی خطے "نیمی" ضلع پٹنہ سے تھا، جہاں انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کو آپ کی ولادت اپنی خالہ کے گھر، موضع صالح پور میں ہوئی، جو ادبی حلقوں میں آج بھی عظیم آباد کے نام سے مشہور و معروف ہے، انتالیس (۳۹) واسطوں سے آپ کا نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم عظیم آباد (پٹنہ) میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے علومِ عربیہ کی اعلیٰ کتابیں غازی پور میں پڑھیں، بعد ازاں فقہِ اسلامی وحدیث میں مہارت کے لیے علامۂ عصر، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) سے رجوع فرمایا، جو اس وقت فرنگی محل کی مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ چنانچہ آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور ان سے تفسیر، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ کی متعدد کتب پڑھیں۔ انہی کی صحبتِ بافیض میں علامہ شوق نیمویؒ نے علمِ حدیث میں وہ خاص ملکہ حاصل کیا جس کا بھرپور ظہور بعد میں آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف آثار السنن کی صورت میں ہوا۔ یوں آپ نے حدیثِ نبویؐ میں گہری بصیرت حاصل کی اور اپنے عہد کے ممتاز اہلِ علم میں نمایاں مقام پیدا کیا۔

قلبی تزکیہ اور روحانی تربیت کے لیے آپ حضرت فضلِ رحمن گنج مرادآبادیؒ (۱۳۱۲ھ) کے آستانے پر بھی حاضر ہوئے، جہاں بیعت کے ساتھ ساتھ تمام کتبِ حدیث کی عمومی سند اور مسلسلات کی خصوصی اجازت حاصل کی۔

علامہ شوق نیمویؒ کی علمی زندگی کا مرکزی محور حدیثِ رسول ﷺ کی تحقیق، اس کی اسنادی جانچ اور فقہی تطبیق رہا۔ وہ صرف ناقلِ روایت نہ تھے؛ بلکہ ناقدِ روایت اور محققِ دلائل بھی تھے۔ ان کا محدثانہ ذوق اس حقیقت سے بخوبی نمایاں ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر روایت کو اصولِ حدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور آثارِ سلف کی روشنی میں اس کا مقام متعین کیا؛ یہی تحقیقی مزاج انہیں اپنے معاصرین میں ممتاز کرتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندی اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے جلیل القدر حفاظِ حدیث آپ کے علمی مقام کے معترف اور قدرداں تھے۔ علامہ کشمیریؒ نے تو آثار السنن پر اپنی گراں قدر تعلیقات و حواشی "ال اتحاف لمذھب الا حناف" کے نام سے قلم بند فرمائیں، بلکہ آثار السنن کی تالیف کے دوران علامہ کشمیری سے رابطے اور علمی مشاورت بھی بحال تھے، جو اس کتاب کی علمی عظمت کا روشن ثبوت ہیں۔

"جامع الآثار فی اختصاص الجمعۃ بالامصار، جلاء العین فی رفع الیدین، الدُّرۃ الغرۃ فی وضع الیدین علی الصدر وتحت السرۃ، تبیان التحقیق، حبل المتین اور اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید" جیسی علمی تصانیف میں، آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف "آثار السنن برصغیر" کی حدیثی وفقہی روایت میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں علامہ شوق نیمویؒ نے فقہِ حنفی کے دلائل کو نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع کیا، اور ہر حدیث کی تخریج، اسناد کی تحقیق اور رواۃ پر جرح و تعدیل کے ذریعے ایک مضبوط حدیثی بنیاد فراہم کی۔ آثار السنن صرف دلائل کی فہرست نہیں بلکہ محدثانہ بصیرت، فقہی توازن اور علمی دیانت کی درخشاں مثال ہے۔

علامہ شوق نیمویؒ کا اسلوبِ تحریر متین، سنجیدہ اور قدیم محدثین کے رنگ سے ہم آہنگ ہے۔ ان کی تحقیقات سے بعد کے اکابر علما نے گراں قدر استفادہ کیا، چنانچہ حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد میں، حضرت شیخ زکریا کاندھلویؒ نے اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک میں، اور بیہقیِ وقت علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ نے اعلاء السنن میں آپ کی تحقیقات کو بطورِ حوالہ نقل فرمایا ہے۔

یوں علامہ شوق نیمویؒ کی خدمات نے برصغیر میں حدیث و فقہ کے باہمی ربط کو نئی قوت بخشی اور ایک مستحکم علمی روایت قائم کی۔ آثار السنن اگرچہ ناتمام رہی، تاہم جو حصے شائع ہوئے وہی ان کے مقام کی شہادت کے لیے کافی ہیں، علاوہ ازیں علامہ شوقؒ نیموی کی ادبی و شعری مہارت بھی اس عہد کے علماء کی ہمہ جہت علمی شخصیت کی آئینہ دار ہے، یہ میرا موضوع نہیں ہے؛ اس لئے اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

بلا شبہ آپ کی علمی میراث، بالخصوص آثار السنن، آج بھی اہلِ علم کے لیے ایک معتبر مرجع اور محققین کے لیے مشعلِ راہ ہے، اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے بغیر برصغیر کی حدیثی تاریخ نامکمل رہتی ہے (القول الحسن)۔

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ، بروز جمعہ، عظیم آباد میں آپ کا وصال ہوا، اور آپ کو اپنے آبائی وطن نیمی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

علامہ محمد شمس الحق دیانوی عظیم آبادی (1857-1911م)

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادیؒ برصغیر کے جلیل القدر محدث، محقق اور خادمِ حدیث تھے، آپ کی ولادت 27 ذی القعدہ 1273ھ کو قصبہ دیانواں عظیم آباد (پٹنہ) میں ہوئی، ابتدائی عمر ہی سے آپ کو علمِ حدیث سے گہری وابستگی حاصل تھی۔

آپ نے حدیث کی تعلیم میاں سید نذیر حسین مونگیری و دہلویؒ جیسے عظیم محدث سے حاصل کی۔

آپ اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے ممتاز عالم شمار ہوتے ہیں۔ حدیث، اس کے رجال اور فقہی دلالت پر آپ کو غیر معمولی عبور حاصل تھا، آپ کی حیثیت ایک شارحِ حدیث اور ناقدِ سنت کی تھی۔

آپ کی سب سے عظیم تصنیف "عون المعبود شرح سنن ابی داود" ہے۔

یہ کتاب حدیث، فقہ اور اقوالِ سلف کا جامع مرقع ہے۔ اسی موضوع پر آپ کی دوسری اہم کتاب غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود ہے۔ آپ نے التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی جیسی تحقیقی کتاب بھی تصنیف کی۔ اسی طرح اعلام اہل العصر بأحکام رکعتی الفجر فقہی تحقیق کا شاہکار ہے۔

اسی طرح "النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ صحیح مسلم بن الحجاج" "فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری"، "النور اللامع فی أخبار صلاۃ یوم الجمعۃ علی النبی الشافع" جیسی گراں قدر کتابیں بھی آپ کی حدیثی شاہکار ہیں۔

آپ کی کتابوں میں استدلال، اعتدال اور علمی دیانت نمایاں ہے۔

آپ نے نایاب حدیثی کتابوں کی اشاعت میں ذاتی مال خرچ کیا۔ آپ کی خدمات سے برصغیر میں علمِ حدیث کو نئی زندگی ملی۔ آپ کے شاگردوں نے آگے چل کر حدیث کی خدمت کو عام کیا۔

زہد، تقویٰ اور اخلاص آپ کی شخصیت کا روشن پہلو تھے۔ 19 ربیع الاول 1329ھ کو آپ نے وفات پائی۔

سید سلیمان ندوی (1884 - 1953م)

مولانا سید سلیمان ندویؒ برصغیر کے عظیم عالمِ دین، مورخ، سیرت نگار، محقق اور بلند پایہ ادیب تھے، جنہوں نے اسلامی تاریخ اور اردو ادب کو ایک نئی فکری جہت عطا کی، آپ کی ولادت 22 نومبر 1884ء کو دیسنہ، ضلع پٹنہ (بہار) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے علمی تربیت حاصل کی، جہاں علامہ شبلی نعمانیؒ کی صحبت نے آپ کی فکری اور تحقیقی صلاحیتوں کو جِلا بخشی۔ شبلیؒ کے بعد آپ ان کے علمی مشن کے سب سے بڑے امین ثابت ہوئے۔

سید سلیمان ندویؒ کو سب سے زیادہ شہرت سیرت نگاری کے میدان میں حاصل ہوئی۔ شہرۂ آفاق کتاب سیرت النبی ﷺ کے پہلے دو حصے شبلی علامہ نعمانیؒ نے تحریر کیے، جبکہ باقی پانچ حصوں کی تکمیل کا عظیم کارنامہ سید صاحب نے انجام دیا، جو علمی استناد، تاریخی تحقیق اور ادبی حسن کا شاہکار ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ سیرتِ عائشہؓ میں انہوں نے سیدہ عائشہؓ کی علمی، فکری اور دینی عظمت کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔

ان کی دیگر مشہور تصانیف میں، خطباتِ مدرس شامل ہے، جو اسلامی تہذیب، فکر اور تاریخ پر وقیع خطبات کا مجموعہ ہے۔ ارمغانِ سلیمان میں ان کے تحقیقی مقالات اور فکری مضامین شامل ہیں، جبکہ نقوشِ سلیمانی ان کی علمی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات اور عربوں کی جہاز رانی جیسی کتب میں انہوں نے تاریخی تحقیق کو جدید اسلوب کے ساتھ پیش کیا۔ رحمت عالم سیرت نبوی پہ شاہکار ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد سید سلیمان ندویؒ کراچی منتقل ہوئے اور وہاں بھی علمی و فکری خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کا انتقال 22 نومبر 1953ء کو کراچی میں ہوا۔ سید سلیمان ندویؒ کی تحریریں آج بھی سیرت، تاریخ اور اسلامی فکر کے طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ہیں، اور آپ کا نام اردو کے عظیم محققین و سیرت نگاروں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مولانا محمد ظفر الدین بہاری (1885 - 1962م)

مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاریؒ کی ولادت 10 محرم 1303ھ (1880ء) کو رسول پور میجر، ضلع نالندہ (بہار) میں ہوئی اور وفات

19 جمادی الآخر 1382ھ (1962ء) کو ہوئی، بریلوی مکتب فکر کے محدث تھے۔

آپ کے ممتاز استاذ اساتذہ میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ تھے، جن سے آپ نے حدیث وفقہ میں خاص استفادہ کیا، آپ نے حدیث کی تحقیق میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کا مجموعہ "صحیح البہاری" علم حدیث میں معتبر ماخذ ہے۔ دیگر آثار میں "شرح کتاب الشفاء" اور "التعلیق علی شروح المغنی" شامل ہیں، جو آج بھی طلبہ ومحققین کے لیے رہنمائی کا وسیلہ ہیں۔

شیخ محی الدین تمنا عمادی (1888-1972م)

شیخ تمنا عمادیؒ (1888،1972ء) پھلواری شریف، پٹنہ کے رہنے والے ممتاز عالم ومحقق تھے، جنہوں نے حدیث وسنت کی تحقیق و فہم میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

بعد ازاں آپ پہلے ڈھاکہ اور پھر کراچی ہجرت کر گئے، اور کراچی میں ہی وفات پا گئے۔ ان کے علمی آثار میں "البدر المنیر فی اُصول التفسیر"، "اِعجاز القرآن"، "روح النحو" اور "شرح دیوان اِمرئ القیس" شامل ہیں۔

مولانا عبدالغفار مہدانوی چھپروی

1315ھ/ 1897ء-1942ء/ 1362ھ

بہار کے اکابر علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، وہ چھپرہ میں 1315ھ/ 1897ء میں پیدا ہوئے اور علم وتقویٰ کی فضائل میں ممتاز تھے۔ مولانا عبدالغفار نے اپنے زمانے کے دیگر اکابرِ اہلِ حدیث جیسے حافظ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالحکیم صادق پوری اور دیگر کے ساتھ علمی رفاقت اور تعاون کیا۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم و ترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں اور مدارس میں تدریس اور عوامی خطابات کے ذریعے دین کی اشاعت کی۔ آپ نے معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ اہلِ علم کے درمیان آپ کا مقام قابلِ احترام اور معتبر تھا۔ آپ نے امام بخاری کی الأدب المفرد کا اردو میں ترجمہ کیا جو "سلیقہ" کے نام سے شائع ہوا، جس نے طلبہ اور عوام میں علومِ حدیث کی فہم ورسائی میں آسانی پیدا کی۔ زندگی بھر علم وعمل کو یکجا کرتے رہے۔ 27 اگست 1942ء/ 1362ھ کو چھپرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

سلطانِ القلم علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ (۱۸۹۲ء،۱۹۵۶ء)

حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ یکم اکتوبر 1892ء کو ضلع نالندہ، بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علمی وروحانی لحاظ سے ممتاز اور عربی نسب سے منسلک تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر اور قریبی مدارس میں حاصل کی گئی، جہاں قرآن وحدیث، عربی وفارسی ادب اور اصول فقہ کی بنیاد رکھی گئی۔

بعد ازاں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں انہوں نے صحاح ستہ، علوم فقہ، اصول فقہ، منطق اور کلام میں اعلیٰ علمی مقام حاصل کیا۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے جبالِ علم وفن شامل تھے، جن سے آپ نے نہ صرف علمی بلکہ اخلاقی فیض بھی پایا۔

تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ نے تدریس وتحقیق کے میدان میں خدمات انجام دیں۔ ابتدا میں دارالعلوم دیوبند اور بعد میں عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد میں تقریباً تین دہائی تک شعبۂ دینیات کی قیادت کی اور بطور ڈین اور پروفیسر ہزاروں طلبہ کو علمی واخلاقی تربیت فراہم کی۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا محمد حمید اللہؒ، غلام محمد ربّانی اور دیگر جید علماء شامل تھے، جنہوں نے بعد میں خود عالمی علمی وتحقیقی خدمات

انجام دیں۔

آپ کی تالیفات میں حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ اسلام، تعلیم وتربیت اور اسلامی معیشت کے موضوعات شامل ہیں۔ علامہ گیلانیؒ کی سب سے نمایاں علمی خصوصیت احادیث کی تدوین وتحقیق تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب تدوینِ حدیث میں احادیث کی تدوینی تاریخ، اسبابِ تدوین، مختلف مجموعات کی ترتیب اور ان کی مستند حیثیت پر تحقیقی روشنی ڈالی۔ اس کتاب نے نہ صرف احادیث کی تحقیق کو فروغ دیا بلکہ طلبہ ومحققین کے لیے ایک جامع رہنمائی بھی فراہم کی۔

آپ کی دیگر اہم تصانیف میں النبی الخاتم، مقدمہ تدوینِ فقہ، سوانحِ ابوذر غفاری، سوانحِ اویس قرنی، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، نظام تعلیم وتربیت اور سوانحِ قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتابوں نے فقہ، سیرت، تاریخ اسلام، تعلیم وتربیت اور اسلامی معیشت کے موضوعات پر گہرائی سے روشنی ڈالی اور اردو علمی ادب میں ایک مضبوط تحقیقی معیار قائم کیا۔

حضرت علامہ گیلانیؒ نے حدیثی علوم میں نہ صرف تحقیق وتدوین پر توجہ دی بلکہ محدثین کی طبقات بندی، احادیث کے اسناد ومتن کی تنقیدی جانچ، اور فقہی تطبیق کے شعبے میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ نے یہ ثابت کیا کہ حدیثی علوم میں تحقیق وتدریس دونوں کا یکساں اہم مقام ہے۔

آپ کی تحریری خدمات کا اسلوب نہایت سلیس، فصیح، مدبرانہ اور تحقیقی گہرائی سے معمور تھا، جس میں دلیل، استدلال اور تاریخی شعور بخوبی جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو محققِ اسلام، سلطانِ القلم اور متکلمِ ملت کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔

1948ء کے بعد وطن واپسی کے بعد آپ نے تحقیق وتحریر کو اپنا عملی مشن بنایا اور متعدد علمی وتحقیقی مقالات تحریر کیے۔ 1953ء میں عارضۂ قلب کے بعد بعض عرصہ نگارش سے معذور رہے، لیکن علمی خدمات کو جاری رکھا۔

حضرت گیلانیؒ کا دارِ فانی سے انتقال 5 جون 1956ء کو ہوا، مگر ان کی علمی وتحقیقی خدمات آج بھی طلبہ، علماء اور محققین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کی تحریری میراث، خصوصاً احادیث کی تدوین، فقہ اور سیرت کی تحقیقات، اردو علمی ادب اور اسلامی علوم کے لیے لازوال اثاثہ ہے۔

مولانا عبدالصمد رحمانی (1890ء۔1973ء)

سرزمین بہار کی مایہ ناز شخصیت، بے مثال فقیہ، باکمال مفسر اور کامیاب مؤلف تھے، پورا نام عبدالصمد رحمانی بن شیخ سخاوت علی ہے، بازید پور قصبہ باڑھ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز گھر پر ہوا، عربی کی ابتدائی تعلیم قصبہ باڑھ میں حاصل کی، مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور اور مدرسہ سبحانیہ الہ آباد اور مدرسہ انوار العلوم گیا میں اعلی تعلیم مکمل کی، ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجاد، مولانا قطب الدین غور غشتی، مولانا حکیم محمد صدیق باڑھ وغیرہم آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں، علوم متداولہ کے بعد باطنی علوم اور تزکیہ نفس کے لئے شیخ طریقت، مرشد کامل، قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے دست مبارک پر بیعت ہو گئے اور خانقاہ رحمانی مونگیر سے وابستہ رہ کر تعلیمی، تصنیفی اور دیگر قومی وملی خدمات انجام دینے لگے، مونگیر سے چند میل کے فاصلے پر کھگڑیا کے مضافات میں واقع" مانڈر" نامی بستی میں مولانا کی شادی ہوئی، پھر مانڈر ہی کو اپنا وطن بنالیا، پیرومرشد کے انتقال کے بعد امارت شرعیہ بلائے گئے اور امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے گراں قدر، عظیم الشان قومی وملی خدمات انجام دیں، طویل عرصہ تک نائب امیر شریعت رہے، جس دوران امارت شرعیہ کو کافی ترقی ملی، وہ دارالعلوم دیوبند کے رکن شوری بھی رہے، اور جمعیت علمائے ہند کے نائب ناظم کی حیثیت سے بھی کام کیا، غیر معمولی قومی وملی مصروفیات کے باوجود مولانا نے مختلف علوم وفنون میں درجنوں کتابیں تصنیف کی، کتاب الفسخ والتفریق، کتاب العشر والزکوۃ، ازالہ شبہات از مسئلہ

عشر و زکوٰۃ، اسلامی حقوق اور تیسیر القرآن وغیرہ کافی مشہور ہیں، خانقاہ رحمانی مونگیر میں وصال ہوا اور مخصوص پور مونگیر کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

شیخ فضلُ اللہ بن احمد جیلانیؒ (1905-1979)

بہار میں علم حدیث کی درخشاں تالیفی خدمات میں ایک قابلِ فخر اضافہ ممتاز محدث شیخ فضلُ اللہ بن احمد جیلانیؒ کی تصنیف "فضلُ اللہ الصمد فی توضیح الأدب المفرد" ہے، جو امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی مشہور کتاب "الأدب المفرد" کی پہلی مستقل اور جامع شرح ہونے کا شرف رکھتی ہے۔

شیخ فضل اللہ جیلانیؒ ایک علمی و روحانی خانوادہ "رحمانی" سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کی ولادت کانپور میں 27 / رمضان 1320ھ موافق دسمبر 1905 عیسوی میں ہوئی، والد کا نام احمد علی تھا، حضرت مولانا فضل اللہ صاحب مشہور عالم، محدث، مصلح اور بانیِ جامعہ رحمانی مونگیر حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے پوتے تھے، جن کی علمی و اصلاحی خدمات پورے برصغیر میں مسلَّم ہیں۔ان کے والد عنفوانِ شباب میں انتقال کر گئے، والد کے انتقال کے بعد شیخ فضل اللہؒ کم عمری ہی میں یتیم ہو گئے، مگر اپنے جلیل القدر جد کے سایۂ شفقت میں آ گئے، جنہوں نے نہایت دل سوزی اور خصوصی توجہ کے ساتھ ان کی علمی و اخلاقی تربیت کی۔ یوں ان کی ابتدائی تربیت ایک ایسی علمی و روحانی فضاء میں ہوئی جہاں علم، اخلاق اور تصوف باہم شیر و شکر تھے۔

شیخ فضل اللہؒ نے اپنی پوری تعلیمی زندگی مونگیر میں بسر کی اور جامعہ رحمانی مونگیر میں ابتدا سے انتہا تک تعلیم حاصل کی، جو خانقاہِ رحمانی سے وابستہ تھی جسے خود ان کے جدِّ بزرگوار نے قائم فرمایا تھا۔ابتدائی تعلیم آپ نے فاضلِ جلیل شیخ عبدالکریم گنج مرادآبادیؒ سے حاصل کی۔ بعد ازاں آپ نے متعدد اساتذہ کرام سے فیض حاصل کیا، جن میں خصوصیت کے ساتھ شیخِ ربانی حضرت غنیمت حسین اشرفی مخدوم چکیؒ اور شیخ عمر پشاوریؒ قابلِ ذکر ہیں۔تاہم علمی زندگی کا سب سے مؤثر اور طویل مرحلہ اُس وقت شروع ہوا جب آپ نے علامہ فاضل، مفتی عبد اللطیف رحمانیؒ کی صحبت اختیار کی، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، جامعہ رحمانی مونگیر، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تدریس و افتاء کے معتبر مراکز میں متحرک تھے۔شیخ فضل اللہؒ نے طویل عرصہ اس جلیل القدر عالم کی خدمت میں گزارا اور حیدرآباد دکن میں ان کے داماد بھی بنے۔

شیخ فضل اللہ جیلانیؒ نے مفتی عبداللطیف رحمانیؒ کی معاونت میں ایک عظیم علمی خدمت انجام دی، جس کے تحت جامع ترمذی کی شرح فقہِ حنفی کے مطابق مرتب کی گئی۔کہا جاتا ہے کہ شیخ فضل اللہؒ نے اس شرح پر نظرِ ثانی کی اور اس پر مفید تعلیقات بھی تحریر کیں، تاہم افسوس کہ یہ شرح زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکی اور نہ ہی اس کا کوئی نسخہ یا مستند سراغ دستیاب ہے۔اگر یہ منظرِ عام پر آ جاتی تو بلاشبہ وہ شیخ فضل اللہؒ کی علمی صلاحیت اور مقامِ حدیث کو ان کی معروف تصنیف "فضلُ اللہ الصمد فی توضیح الأدب المفرد" کے بعد بہتر انداز میں پیش کرتی۔

شیخ فضل اللہ جیلانیؒ کی سب سے معروف اور نمایاں تصنیف "فضلُ اللہ الصمد فی توضیح الأدب المفرد" ہے، جو امام بخاریؒ کی کتاب الأدب المفرد کی پہلی باقاعدہ شرح ہونے کے اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔اس شرح میں انہوں نے احادیث کے الفاظ کی وضاحت، معانی کی تشریح، اسناد کا جائزہ اور اخلاقی و تربیتی نکات کو نہایت محققانہ اور متوازن انداز میں بیان کیا ہے۔اسلوب نہایت سنجیدہ اور وقار آمیز ہے، جو صرف علمی معلومات ہی نہیں بلکہ سنتِ نبویؐ کے عملی اور معاشرتی پہلوؤں سے بھی قاری کو روشناس کراتا ہے۔

یہ علمی کارنامہ ثابت کرتا ہے کہ بہار میں نہ صرف درس وتدریس کا رواج تھا بلکہ حدیث کی تالیفی خدمت کا شعور بھی مضبوط تھا۔ یقیناً اس کارنامے کا سہرا محدثینِ بہار اور بالخصوص خانوادۂ جامعہ رحمانی کے سر بندھتا ہے، جس نے نہ صرف علمی بلکہ اخلاقی وتربیتی اعتبار سے بھی برصغیر کی روایتِ حدیث کو مستحکم کیا۔

شیخ فضل اللہ جیلانیؒ 1399ھ مطابق 1979ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے، مگر ان کی علمی یادگاریں خصوصاً "فضلُ الله الصمد في توضيح الأدب المفرد" آج بھی ان کی علمی بصیرت، محدثانہ فہم اور دینی غیرت کی روشن دلیل کے طور پر اہلِ علم کے درمیان زندہ ہیں۔ اس خانوادے کا نسبی تعلق حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے ہے؛ اس لیے شیخ فضل اللہؒ نے اس نسبت کو ترجیح دیتے ہوئے جیلانی نسبت اختیار کی، جبکہ ان کے خانوادے کی دیگر شخصیات حضرت فضل رحمان گنج مرادآبادی رحمہ اللہ سے انتساب کرتے ہوئے رحمانی لکھتے ہیں۔

مولانا سید عبدالاحد قاسمی بیگوسرائیوی (1901ـ1995م)

حضرت مولانا سید عبدالاحد قاسمی بیگوسرائیوی، موضع "قصبہ" ضلع بیگوسرائے کے ایک علمی گھرانے میں بتاریخ یکم مئی ۱۹۰۱ عیسوی آنکھیں کھولیں، سادات خانوادے سے تعلق تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خاص شاگرد و دست گرفتہ تھے۔ فن ادب عربی، بلاغہ، فقہ و منطق وغیرہ میں متعدد قیمتی تحریری نقوش وخدمات میں سب سے ممتاز تالیف "العلالة الناجعة" ہے، جو اصول حدیث پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی فارسی تصنیف لطیف "العجالة النافعة" کی تعریب وترجمہ ہے۔ آپ نے فارسی کتاب کے بے مثال عربی ترجمہ کے ساتھ شستہ ورواں اردو ترجمہ بھی شاملِ حاشیہ کردیا ہے

یہ کتاب اپنی وضاحت اور سلیس وبلیغ عربی اندازِ تحریر کی وجہ سے طالب علم کو اصل کتاب سے بے نیاز کر دیتی ہے، کتاب کی بلیغ تعریب پر وقت کے اکابر علماء و محدثین نے بھی بے حد تحسین وخاص تعریف فرمائی ہے۔ عربی انشاپردازی میں آپ کے درک وکمال کا حصہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی سے منتقل ہوا تھا۔ اپنے استاذ کے سوانحی نقوش پر مشتمل آپ نے "حیات اعزاز" کے نام سے مختصر کتاب بھی تحریر کی جو سن 1955 میں ڈھاکہ قیام کے دوران طبع ہوئی۔

آپ نے تدریس اصول حدیث کے ساتھ ساتھ علمی وتحقیقی حلقوں میں نمایاں خدمات انجام دیں، دارالعلوم حماد یہ ڈھاکہ بنگلہ دیش کے کئی سال شیخ الحدیث وناظم رہے اور ڈھاکہ کے علمی حلقوں کو اپنی تدریسی، تالیفی اور حدیثی خدمات سے سیراب کیا۔ زندگی کے آخری ایام آپ نے اپنے آبائی وطن "قصبہ" بیگوسرائے میں گزارے، ۲۲ مئی ۱۹۹۵ء

۲۰ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ یہیں بہ عمر 95 سال آپ کی وفات ہوئی اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ مختلف علوم وفنون بالخصوص اصول حدیث میں آپ کی تالیفات آج بھی طالب علم ومحقق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

مولانا محمد اکرام علی قاسمی بھاگلپوریؒ (1355ھ، 1428ھ)

شیخُ الحدیث حضرت مولانا محمد اکرام علی قاسمی بھاگلپوریؒ کی ولادت ریشمی شہر بھاگلپور کے موضع چمپانگر میں سنہ 1355ھ مطابق 1936ء کو ہوئی۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد اکرام علی بن اصغر علی ہے۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم تا شرح جامی علاقہ کے معروف علمی مرکز مدرسہ اصلاح المسلمین، چمپانگر میں حاصل کی۔ سنہ 1369ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کے درجہ چہارم عربی میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے اپنے عہد کے اکابر علما اور جبالِ علم وفن سے علومِ حدیث کی

تحصیل کی۔ خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا فخر الحسنؒ جیسے نامور اساتذہ سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے آپ کو بیعت وسلوک کا شرف بھی حاصل تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے ملک کے مختلف علمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعدازاں امیرِ شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی طلب پر جامعہ رحمانی، خانقاہ مونگیر تشریف لے گئے، جہاں طویل عرصہ تک حدیث کا درس دیا۔

بعدہ ایک مدت تک مدرسہ مفتاح العلوم، مئو میں بھی درسِ حدیث سے وابستہ رہے۔ سنہ 1404ھ میں آپ کو جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل (گجرات) میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا گیا، جہاں آپ نے تقریباً پچیس برس تک صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا وغیرہ کا درس نہایت وقار، تحقیق اور بصیرت کے ساتھ دیا۔ سنہ 1428ھ میں، تقریباً 73 سال کی عمر میں، گجرات میں آپ کا وصال ہوا اور ڈابھیل ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

حدیث کے میدان میں آپ کی گراں قدر خدمات میں صحیح مسلم، کتاب الایمان کی مبسوط شرح "نفع المسلم" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو علوم ومعارف کا ایک وقیع اور شاہکار مجموعہ ہے۔

اسی طرح جامع ترمذی کی درسی تقریروں کا مجموعہ "تحفۃ العبقری" کے نام سے جلدِ اول بھی شائع شدہ ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (1936-2002ء)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی برصغیر ہند کے معاصر فقہ و دین کے عظیم علماء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی علمی بصیرت، فقہی تحقیق اور دینی خدمات کے ذریعے اسلامی شریعت کی ترویج اور مسلمانوں کے فکری و اجتماعی مسائل کے حل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کی ولادت سن 1936ء میں بہار کے ضلع دربھنگہ کے قصبہ جالے میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کی، جہاں آپ نے مشہور علما جیسے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی سے علمی فیض حاصل کیا۔ اس علمی تربیت نے نہ صرف آپ کی فقہی قابلیت کو مستحکم کیا بلکہ دینی امور میں آپ کے بصیرتی اور تحقیقی مزاج کو بھی فروغ دیا۔

حضرت قاضی صاحب نے اپنے علمی مشن کو صرف تدریس اور تحقیق تک محدود نہ رکھا بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی، فقہی اور قانونی مسائل کے حل کے لیے بھی فعال کردار ادا کیا۔ آپ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بانی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر رہے، جہاں آپ نے مسلم پرسنل قانون کی تشریح، فقہی مباحث کی تنظیم اور مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے متفقہ موقف مرتب کرنے میں کلیدی خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ آپ نے متعدد علمی وتربیتی ادارے بھی قائم کیے، جن میں دارالعلوم الاسلامیہ اور المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء قابلِ ذکر ہیں، جو فقہ، قضاء اور افتاء کے علمی مراکز کے طور پر مشہور ہوئے۔

فقہی و دینی تصانیف کے اعتبار سے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی تحریرات میں فقہی مباحث، اسلامی عدالت اور چار جلدوں پر مشتمل صنوان القضاء شامل ہیں، جو فقہی تحقیق اور عدالتی مسائل کے عملی حل میں عمیق بصیرت پیش کرتی ہیں۔ ان کا علمی اسلوب نہایت معتدل، متوازن اور معروضی تھا، جس نے فقہ اسلامی کو معاشرتی اور عملی پہلوؤں کے ساتھ پیش کیا۔ قاضی صاحب کی شخصیت میں علمی وقار، تدریسی مہارت اور خطابت کی تاثیر یکجا تھی، جس نے نہ صرف اہلِ علم کی توجہ حاصل کی بلکہ عوامی سطح پر بھی ان کی تقریری خدمات کو پذیرائی ملی۔ آپ نے اپنی زندگی میں فقہ اسلامی کو نہایت متوازن اور معتدل انداز میں پیش کیا اور اسلامی شریعت کی روشنی میں معاشرتی وقانونی مسائل کے عملی حل کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ 4 اپریل 2002ء کو دارِ فانی سے رخصت ہو گئے، مگر ان کی علمی خدمات، تالیفی کاوشیں اور دینی و فقہی ادارے آج بھی مسلمانوں میں علمی شعور اور اجتماعی فہم کے فروغ کا روشن اور زندہ اثاثہ ہیں، جو برصغیر کے فقہ و دین کے شعبے میں ان کے مقام کو مستحکم کرتے ہیں۔

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ (1926ء۔2011ء)

حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ برصغیر کے اُن جلیل القدر فقہاء، محدثین اور محققین میں شمار ہوتے ہیں جنہیں بجا طور پر ایک سالارِ کارواں، قافلہ ساز اور دبستانِ افتاء کے معمار کہا جا سکتا ہے، آپ کی ولادت 7 مارچ 1926ء کو صوبۂ بہار، ضلع دربھنگہ کے ایک تاریخی گاؤں پورہ نوڈیہہ کے ایک علمی و دیندار خانوادے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی، بعد ازاں مدرسہ وارث العلوم چھپرہ اور جامعہ مفتاح العلوم، مئو میں اعلیٰ دینی تعلیم مکمل کی، جہاں آپ کی فقہی بصیرت اور تحقیقی صلاحیتیں نمایاں ہوئیں۔

سنہ 1956ء میں حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے اور عمر بھر اسی عظیم ادارے کی علمی آبرو بنے رہے۔ ابتدا میں شعبۂ کتب خانہ و تحقیق سے منسلک رہے، پھر دارالافتاء میں مستقل مفتی مقرر ہوئے اور نصف صدی سے زائد عرصہ افتاء کی عظیم ذمہ داری نہایت دیانت، اعتدال اور گہرے فہم کے ساتھ انجام دی۔ آپ نہ صرف ایک صاحبِ قلم فقیہ تھے بلکہ محدث وفقیہ گر اور فتویٰ نویسی کی عملی تربیت دینے والے مربی بھی تھے۔ ناچیز سمیت بے شمار علماء وطلبہ کے لیے آپ شعبۂ افتاء کے استاذ، اسلوبِ فتویٰ کے معلم اور فقہی مزاج کے مربی عرہنمار ہے۔ آپ کی نگرانی میں فتویٰ نویسی ایک فن، ایک ذمہ داری اور ایک امانت بن کر پروان چڑھی۔

آپ کا سب سے عظیم علمی کارنامہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی بارہ جلدوں میں تدوین ہے، جو فقہِ حنفی کا ایک مستند اور وقیع مرجع تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے قلم سے ایک لاکھ سے زائد فتاویٰ صادر ہوئے، جن میں فقہی توازن، نصوص سے گہرا ربط اور عصری شعور نمایاں ہے۔ سادگی، انکسار، خاموش محنت اور علمی وقار آپ کی شخصیت کے روشن اوصاف تھے۔ آپ ایک ممتاز ادیب اور صاحب طرز انشاء پرداز بھی تھے۔ ان کے علمی و ادبی خدمات میں پچاس سے زائد کتب شامل ہیں، جن میں فقہ، عقائد، معاشرتی مسائل، اور اخلاقی موضوعات پر گہری بصیرت پائی جاتی ہے۔ کئی کتابیں عالمی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں۔ آپ ملک کے مختلف اکابر علماء سے علمی تعلقات رکھتے تھے، جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ ی، علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے آپ کے علمی معیار کو مزید تقویت بخشی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے سینئر مفتی، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے معزز صدر، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی، امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے رکن شوریٰ، ان گنت دینی اداروں کے سرپرست تھے۔ 31 مارچ 2011ء کو یہ آفتابِ علم وفقہ غروب ہوا، مگر آپ کی فقہی میراث، تربیت یافتہ تلامذہ اور منہجِ افتاء آج بھی زندہ ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ (1944ء۔2004ء)

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ایک بلند پایہ عالم، مؤلف، معلم، خطیب اور صاحبِ قلم تھے۔ آپ کی ولادت 11 جولائی 1944ء کو صوبہ بہار کے ضلع دربھنگہ میں ہوئی۔ ابتدائی دینی وعصری تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ عربی متوسطات کی تعلیم جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر، چمپارن اور رانچی کے بعض مدارس میں پائی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد علومِ قرآن وتفسیر میں تخصص حاصل کیا۔

سن 1969ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب کے مشورے پر حیدرآباد تشریف لے گئے، جہاں تدریس، تبلیغ، تصنیف اور امامت وخطابت کے اہم فرائض انجام دیئے۔اسی دوران آپ نے دارالعلوم سبیل السّلام حیدرآباد کے نام سے ایک عظیم تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس نے مختصر مدت میں نمایاں علمی مقام حاصل کرلیا۔تقریباً پچاس ایکڑ پر پھیلا ہوا یہ پرشکوہ دارالعلوم اپنے بانی وناظم کی شبانہ روز جدوجہد اور اخلاص کا روشن ثبوت ہے۔

ناچیز کو فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی ادارے میں پانچ سالہ تدریس کا زرّیں موقع ملا، جہاں مولانا مرحوم کی براہِ راست تربیت ونگرانی میں تحقیق وتحریر کا ذوق پروان چڑھا۔

مولانا ایک ماہر ادیب، دقیق الفہم معلم اور مؤثر خطیب وواعظ تھے۔ان کی زبان نہایت اثر انگیز اور اسلوب علمی وادبی معیار کا حامل تھا۔تحریر وتقریر میں سادگی، روانی اور وقار کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا، جس کی بدولت ان کے علمی مباحث عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید اور قابلِ فہم ہوتے تھے۔

آپ نے علمی وتربیتی، اخلاقی، فقہی، حدیثی اور عصرِ حاضر کے موضوعات پر درجنوں کتابیں تصنیف کیں، روزنامہ سیاست میں شرعی رہنمائی (سوال وجواب) کے کالمز لکھے، تحقیق، تالیف اور نصاب سازی کے میدان میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔نوجوان علما کی علمی وتربیتی آبیاری میں آپ کا کردار نہایت مؤثر اور دیرپا رہا۔آپ کے علمی آثار میں: باتیں ان کی یاد رہیں گی، اسرار حیات، چراغ راہ، دینی مدارس اور عصر حاضر، متاع قلم، گنج گراں مایہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔

آپ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکنِ تاسیسی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلسِ شوریٰ کے معزز رکن، اور متعدد دینی وتعلیمی اداروں کے سرپرست ورہنما تھے۔

آپ نے 11 اکتوبر 2004ء کو حیدرآباد میں وفات پائی۔اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور آپ کے علمی ودعوتی آثار کو دوام عطا فرمائے، آمین!

علامہ محمد عثمان غنی قاسمی بیگوسرائیوی (1922-2011)

حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب قاسمی رحمہ اللہ ضلع بیگوسرائے کے بافیض گاؤں چلمل میں پیدا ہوئے۔ابتدائی ومتوسط تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سمیت دیگر اکابر سے حدیث کے علوم حاصل کیے۔ابتدائی تدریسی خدمات بنگلہ دیش اور دیگر مدارس میں انجام دیں، بعدازاں وطن واپس آکر مدرسہ حسینیہ چلمل اور دیگر مدارس میں تدریس وتبلیغ میں مشغول رہے۔1988ء سے 2010ع؛ یعنی تقریباً 22 سالوں تک جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وقف میں شیخ الحدیث کے طور پر تدریس کی خدمات انجام دیں اور سینکڑوں شاگردوں کو علمی روشنی عطا فرمائی۔آپ کی علمی شہرت خصوصاً اردو میں بخاری شریف کی مکمل شرح "نصر الباری" (۱۳ جلدیں) اور دیگر متعدد شروح حدیث کے سبب ہے، جنھوں نے طلبہ وعلماء کے لیے احادیث نبوی کی فہم وتوضیح کو آسان اور قابل اعتماد بنایا۔آپ کی زندگی، شب وروز "قال اللہ وقال الرسول" کے جذبہ سے معطر رہی اور آپ کی تصانیف وتدریس آج بھی علم حدیث کے فروغ اور اسلامی تعلیمات کی خدمت کا زندہ نمونہ ہیں

پوری زندگی تدریس حدیث وتفسیر کے علاوہ علم حدیث میں تالیفی نقوش آپ کے درج ذیل ہیں:

نصر الباری شرح اردو صحیح بخاری ۱۳ جلدیں، نصر الحیاۃ شرحِ مشکاۃ، نصر المنعم نوٹ صحیح مسلم، نصر المعبود نوٹ سننِ ابی داؤد، تحفۃ البہاری نوٹ صحیح بخاری۔

سنہ 2010 عیسوی میں سہارنپور میں انتقال ہوا اور حاجی شاہ کمال میں اکابر عظام کے پہلو میں آسودہ خواب ہیں۔

مولانا سید محمد یحییٰ ندویؒ بیگوسرائیوی (1931۔2023)

حضرت مولانا سید محمد یحی ندوی کی ولادت 10 جنوری 1931ء کو ایک دین دار اور علم پرور گھرانے میں موضع ساہنہ ضلع بیگوسرائے میں ہوئی۔ انہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور وہاں کے اکابر اساتذہ سے فیض اٹھایا، بعد ازاں علی گڑھ میں ممتاز اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ ابتدا ہی سے علم، وقار، سادگی اور تواضع ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ علمِ حدیث، اسماء الرجال اور ادبِ عربی میں انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ جمعیت علماء ہند سے گہری وابستگی رہی اور ریاستی سطح پر نائب صدر کے منصب پر بھی فائز رہے۔

مولانا سید یحییٰ ندویؒ کا اصل امتیاز علمِ حدیث میں ان کی گہری بصیرت اور تحقیقی ذوق تھا۔ وہ محدثِ کبیر علامہ حبیب الرحمن اعظمیؒ کے دہائیوں نہایت قریبی اور بے تکلف خوشہ چیں و مستفید رہے۔ فنِ اسماء الرجال میں آپ ماہر تھے اور ہمیشہ علمی مطالعہ اور تحقیق و تعلیق و تحشیہ میں مشغول رہتے تھے، البتہ باعث افسوس ہے کہ آپ کی تحقیقات منضبط شکل میں ابھی تک شائع نہیں ہوسکیں۔ آپ رحمانی خاندان مونگیر کے داماد تھے اور موضع ساہنہ بیگوسرائے کے زمین دار خاندان کے فرد فرید ہونے کی وجہ سے آپ نے ملازمت یا دیگر امور سے دور رہ کر اپنی پوری زندگی حدیث کی خاموش خدمت کے لیے وقف کی۔ آپ نہایت خاموش طبع، متواضع اور شہرت سے دور شخصیت کے حامل تھے۔ علم و عمل میں آپ کی بے لوث خدمات آج بھی طلبہ و محققین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کی زندگی علم و اخلاق کا روشن نمونہ تھی اور آپ نے اپنی علمی جدوجہد کے ذریعے فن حدیث میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ آخر عمر میں ندوۃ العلماء لکھنوء کے رکن شوریٰ منتخب کئے گئے تھے؛ لیکن اطلاع پہنچنے سے قبل ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

16 رمضان 1444ھ/ 8 اپریل 2023ء کو طویل عمر گزار کر وفات پاگئے اور اپنے وطن ساہنہ بیگوسرائے میں مدفون ہوئے۔

بعض ذرائع کے مطابق انہوں نے تاریخ بغداد میں مذکور احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر جمع کیا اور شرح کشاف (علامہ طیبیؒ) کے متعدد مخطوطات کو تلاش و ترتیب دے کر علمی ذخیرے میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔ مولانا ندویؒ کی بین الاقوامی شہرت ان کی قلیل الوسائط سندِ حدیث کی بنا پر تھی، جس کے حصول کے لیے دور دراز علاقوں بلکہ بیرونِ ملک سے بھی علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

آپ کی سند حدیث کچھ یوں تھی

حدیث مسلسل بالرحمۃ (الراحمون یرحمہم الرحمن) کی سند:

الشیخ یحی عن الشیخ عبداللطیف عن الشاہ فضل رحمن عن الشاہ عبدالعزیز الدہلوی الخ۔۔۔۔

اور صحاح ستہ کی سند:

الشیخ محمد یحی عن الشیخ عبداللطیف عن الشاہ فضل رحمن عن الشاہ محمد اِسحٰق عن الشاہ عبدالعزیز الدہلوی الخ۔۔۔ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(ولادت 1956)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم، سن ۱۹۵۶ء میں بہار کے قصبہ جالے، ضلع دربھنگہ میں علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی انتہائی دینی تحصیل جامعہ رحمانی مونگیر سے مکمل کی یہاں سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ علوم، خصوصاً علمِ حدیث، فقہ

اور اصولِ فقہ میں تخصص حاصل کیا، جس نے آپ کو عصر حاضر کے معیاری عالم وفقیہ کا مقام بخشا۔ آپ کا تعلق علمی خاندان سے ہے اور آپ فقیہ العصر حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے بھتیجے ہیں، جن کا نام اسلامی وفقہی حلقوں میں بلند مقام رکھتا ہے۔

مولانا رحمانی صاحب نے اپنے علمی کیریئر میں تدریسِ حدیث وفقہ کے ساتھ ساتھ تحقیق وتصنیف کو بھی انتہائی اہمیت دی۔ آپ مختلف موضوعات پر متعدد تصانیف ورسائل کے مصنف ہیں اور آپ کی مجموعی تالیفات پچاس سے زائد کتب پر مشتمل ہیں، جن میں حدیث، فقہ، تفسیر اور معاصر مسائل پر علمی وتحقیقی کتب شامل ہیں۔

آپ کی اہم تصانیف میں آسان تفسیر قرآنِ مجید، فقہِ اسلامی: تدوین وتعارف، قاموسُ الفقہ، کتابُ الفتاویٰ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصرِ حاضر کے پس منظر میں جیسے موضوعات شامل ہیں، جن کی متعدد جلدیں آج بھی علمی وتعلیمی دائروں میں بطور حوالہ ومطالعہ استعمال ہوتی ہیں۔

عصرِ حاضر میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس منظر میں آپ کی تازہ حدیثی خدمت نے خاص اہمیت حاصل کی ہے، جس میں آپ نے موجودہ دور کے چیلنجز کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے روایتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افادیت واطلاق کو واضح کیا ہے۔

آپ نے المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد جیسے تحقیقی ادارے کی بنیاد رکھی جہاں طلبہ ومحققین کو عصرِ حاضر کے مسائل پر علمی گراں قدر رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔

تدریسِ حدیث وفقہ کے ساتھ ساتھ آپ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں، جس میں آپ نے فکری، فقہی وسماجی موضوعات پر نمایاں علمی خدمات انجام دی ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی علمی وحدیثی خدمات نے دینی تعلیم کے فروغ، معاصر مسائل کے حل اور شریعت کے مطابق رہنمائی کے میدان میں ایک روشن مثال قائم کی ہے، جس کے اثرات نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی سطح پر بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔

مشتے نمونہ از خروارے

یہ چند نامور محدثین وعلماء کا مختصر تعارف تھا، جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو علمِ حدیث کی خدمت میں صرف کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سرزمینِ بہار نے بے شمار دیگر دانشوروں ومحدثین کو جنم دیا، جن کی خدماتِ علمی وحدیثی لازوال ہیں۔

یہ علماء نہ صرف حدیث کی تدریس، تالیف وترتیب، شرح وتفسیر میں مشغول رہے، بلکہ اپنی تحریروں، درس وتدریس اور ارشادات کے ذریعے طلبہ وعوام کے لیے روشنی کے مینار قائم کرتے رہے۔ ان کی محنت وقربانی نے اس خطے کو اسلامی علوم کا ایک معتبر مرکز بنایا۔

یہاں ہر ایک شخصیت اور ان کی خدمات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، نہ یہ مختصر مضمون اس وسیع علمی میراث کا مکمل عکس پیش کرسکتا ہے۔

بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے۔

ہر محدث، ہر محقق، ہر طالبِ علم اس وسیع سمندر میں ایک موج کی مانند ہے، اور ان سب کی کاوشیں علمِ حدیث کے بے کنار سمندر کو روشنی اور وسعت عطا کرتی ہیں۔ یہ بحرِ بے کراں، جس میں علم وتحقیق کی لہرے مسلسل اُٹھتی ہیں، کبھی خالی نہیں ہوتا، اور ہر فرد اس کے ایک قیمتی قطرے کی مانند ہے۔

ناچیز کا یہ مضمون محض ایک جھلک ہے، ایک اندازِ فکر ہے، جو قاری کے دل میں یہ شعور جگائے کہ بہار کی زمین سے اٹھنے والے علماء نے کس شدت ومحبت سے علمِ حدیث کی خدمت کو زندہ رکھا، اور یہ روشنی آج بھی ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے

مذکورہ ہستیاں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے علمی وادبی افق پر منور چراغ کی مانند ہیں۔ان کی خدمات نے عربی واسلامی علوم بالخصوص علم حدیث کو محفوظ رکھا اور نسل در نسل علم وادب کے چراغ کو روشن کیا۔

خلاصہ

سرزمینِ بہار برصغیر کی اُن معدودے چند خطّوں میں سے ہے جہاں علم ودین، روایت وتحقیق اور تدریس وتصنیف نے صدیوں تک ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ارتقا پایا، یہ خطہ صرف جغرافیائی وحدت نہیں رہا، بلکہ حدیثِ نبوی ﷺ کی خدمت میں ایک زندہ، مربوط اور مسلسل علمی روایت کا امین بھی ثابت ہوا، یہاں علمِ حدیث فردی ذوق یا وقتی سرگرمی نہ تھا، بلکہ اس نے ایک منظم تحریک، مضبوط سندی نظام اور ادارہ جاتی استحکام کی صورت اختیار کی، جس نے اسے دوام اور وقار بخشا۔

بہار کی حدیثی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ یہاں تدریسِ حدیث، تصنیف وشرح، ترجمہ وتوضیح، فنِّ اسانید، اور دینی قیادت، سب ایک متوازن اور ہمہ جہت نظام کے تحت آگے بڑھے۔مساجد، مدارس اور خانقاہیں صدیوں تک درسِ حدیث کے مراکز رہیں، جہاں روایت کے ساتھ درایت، فہمِ حدیث اور اصولِ استنباط کی تربیت دی جاتی رہی۔اسی فکری گہرائی کا نتیجہ تھا کہ بہار نے ایسے محدثین پیدا کیے جن کی تصانیف اور تحقیقات آج بھی برصغیر ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں سند ومرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بہار کی علمی تاریخ میں دہلی اور حجاز سے مضبوط سندی روابط، خصوصاً خانوادۂ ولی اللہی کی نسبت، ایک روشن باب ہے۔شیخ محمد محسن ترہتیؒ کی تصنیف الیانع الجنی جیسے ماخذ اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ بہار حدیثی تسلسل اور نظامِ اجازت کا ایک اہم ستون رہا ہے۔اسی طرح شیخ محب اللہ بہاریؒ، مولانا سید محمد علی مونگیری، سید فضل اللہ جیلانی، سید نذیر حسین دہلویؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ، ظہیر احسن شوق نیمویؒ، اور بعد کے ادوار میں سید مناظر احسن گیلانیؒ، سید سلیمان ندویؒ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، سید عبدالاحد قاسمیؒ، مولانا اکرام علی قاسمیؒ، مولانا محمد عثمان غنی قاسمیؒ اور دیگر اکابر نے حدیث کو تحقیق، فقہ، تاریخ اور سیرت کے ساتھ جوڑ کر ایک جامع علمی روایت قائم کی۔

ادارہ جاتی سطح پر جامعہ رحمانی مونگیر، امارتِ شرعیہ اور بہار کے دیگر مدارس نے اس روایت کو منظم، محفوظ اور نسل در نسل منتقل کیا۔یہاں سے نکلنے والے علماء نے نہ صرف صوبے کے اندر بلکہ پورے ملک میں تدریسِ حدیث، افتاء، قضاء اور علمی قیادت کے ذریعے اس روایت کو وسعت دی۔یوں بہار کی حدیثی خدمات اس کے جغرافیائی حدود سے آگے بڑھ کر برصغیر کی مشترکہ علمی میراث بن گئیں۔

الغرض، بہار کی سرزمین علمِ حدیث کے باب میں خاموش مگر گہری جدوجہد، مضبوط سندی شعور، تحقیقی دیانت اور ادارہ جاتی استحکام کی علامت ہے۔یہ روایت آج بھی ایک روشن مینار کی طرح اہلِ علم کو اپنی طرف بلاتی ہے اور اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ کی خدمت میں بہار کا حصہ نہ عارضی ہے، نہ معمولی؛ بلکہ مستحکم، تابندہ اور تاریخ ساز ہے۔

شکیل منصور القاسمی

بیگوسرائے، بہار

۱۰/۷/۱۴۴۷ھ، ۳۱/۱۲/۲۰۲۵ء

مصادر ومراجع

مکاتیب گیلانی
فہرس الفہارس کتانی
مآثر الکرام
علماء ہند کا شاندار ماضی
شیخ شرف الدین بہاری اور علم حدیث
سرگزشت مجاہدین
سیرت مولانا محمد علی مونگیری
نزہۃ الخواطر
اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں
آثار پھلواری شریف (اعیان وطن)
تذکرہ علماء بہار
تذکرہ محدثین بہار
یادگار وطن
شرفاء کی نگری
تدوین حدیث
حیات مولانا گیلانی
نظام تعلیم وتربیت
الدر المنثور في تراجم أهل صادق پور
مقالات شبلی

تلخیصِ مقالہ

صوبۂ بہار میں خدماتِ حدیث

(بقلم: مفتی شکیل منصور القاسمی، بیگوسرائے)

سرزمینِ بہار برصغیر کے اُن ممتاز علمی مراکز میں سے ہے جہاں علمِ حدیث نے صرف ایک درسی روایت کے بجائے ایک مربوط، ہمہ جہت اور مسلسل علمی تحریک کی صورت اختیار کی۔ یہاں حدیثِ نبوی ﷺ کی خدمت تدریس، تصنیف، شرح، ترجمہ، اسناد، اجازت، ادارہ سازی اور علمی قیادت، تمام جہات سے انجام پائی، جس نے بہار کو تاریخِ حدیث میں ایک مستحکم اور معتبر مقام عطا کیا۔

بہار کی مساجد، مدارس اور خانقاہیں صدیوں تک درسِ حدیث کے فعال مراکز رہیں، جہاں صحاحِ ستہ، سنن اور مسانید کا باقاعدہ درس دیا جاتا تھا، اس تدریسی روایت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت، فہمِ حدیث، اسنادی نقد اور اصولِ استنباط پر بھی بھرپور توجہ دی جاتی تھی، جس کے نتیجے میں ایسے محدثین تیار ہوئے جو صرف ناقل نہیں بلکہ ناقد اور محقق تھے۔

تصنیف وشرح کے میدان میں بہار کے محدثین نے گراں قدر علمی سرمایہ چھوڑا، یہاں ایسی شروح، حواشی اور مستقل تصانیف وجود میں آئیں جن میں احادیث کے الفاظ، معانی، فقہی تطبیق اور اختلافی مباحث کو تحقیقی بصیرت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اسی طرح عربی متونِ حدیث کے اردو وفارسی تراجم وتوضیحات نے حدیثِ نبوی ﷺ کو عوام وخواص دونوں کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ عمل بنایا۔

بہار کی حدیثی روایت کا ایک نہایت اہم مگر عموماً نظر انداز کیا جانے والا پہلو علمُ الاسانید ہے، اس سلسلے میں شیخ محمد محسن بن غلام یحییٰ الترہُتیؒ کی تصنیف

"الیانع الجنی فی أسانید الشاہ عبدالغنی" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب ایک باقاعدہ سندی ثبت ہے، جس میں حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کی حدیثی اسانید کو نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر دہلی و بہار کے حدیثی روابط، نظامِ اجازت اور روایت کے تسلسل کی صحیح تصویر مکمل نہیں ہو پاتی، یوں الیانع الجنی بہار کی حدیثی تاریخ کا ایک متروک مگر ناگزیر ماخذ ہے۔

افراد کے اعتبار سے بہار نے ہر دور میں جلیل القدر محدثین پیدا کیے، قدیم دور میں

شیخ محب اللہ بہاریؒ اور ان کے معاصرین، انیسویں صدی میں

مولانا سید نذیر حسین مونگیری ثم دہلویؒ (جن کی مسندِ حدیث دہلی نے پورے برصغیر کو متاثر کیا)، علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ (صاحب عون المعبود)، اور بیسویں صدی میں علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ (صاحب آثار السنن)، شیخ محمد محسن ترہتیؒ (صاحب الیانع الجنی)، مولانا عبدالغفار مہدانویؒ، مولانا ظفر الدین بہاریؒ اور بعد کے ادوار میں علامہ سید مناظر احسن گیلانی، سید سلیمان ندوی، شیخ فضل اللہ بن احمد جیلانی رحمانی، مولانا محمد عثمان غنی قاسمیؒ صاحب ناصر الباری، مولانا سید عبد الاحد قاسمیؒ، مولانا اکرام علی قاسمیؒ اور مولانا سید محمد یحییٰ ندویؒ وغیرھم جیسے اکابر نے حدیث کی تدریس، شرح، تحقیق اور سندی روایت کو آگے بڑھایا۔

اسی روایت کی فکری وادارہ جاتی حفاظت میں

مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ، مولانا سید محمد علی مونگیری، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی جیسی شخصیات کا کردار نہایت اہم ہے، جنہوں نے مضبوط دینی ادارے قائم کر کے بہار میں حدیثی ماحول کو دوام بخشا۔

عصرِ حاضر میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی علمی وحدیثی وادارہ جاتی خدمات حدیث بھی اس روایت کا زندہ تسلسل ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بہار میں خدمتِ حدیث نہ جزوی تھی، نہ وقتی؛ بلکہ یہ ایک متنوع الجہات مربوط علمی نظام تھا جس میں درس، کتاب، سند، ادارہ اور قیادت سب باہم پیوست ہیں۔ بہار کی حدیثی روایت کو سمجھے بغیر برصغیر کی تاریخِ حدیث نامکمل رہتی ہے، اور یہی اس مقالے کا بنیادی دعویٰ اور حاصلِ مطالعہ ہے۔تفصیلات مقالے میں شامل ہیں، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکیل منصور القاسمی

بیگوسرائے